امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 62/72 | مورخہ ۲۳ر رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۵ر اپریل ۲۰۲۲ء بروز سوموار | شمارہ نمبر 17

اس شمارہ میں

- اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
- دینی مسائل، یادوں کے چراغ
- کتابوں کی دنیا، حکایات اہل دل
- تعلیم کا مقصد شخصیت کی تعمیر ہے
- ملک کی معیشت تباہی کے دہانے پر!
- سوال مسلمانوں کا نہیں ملک کو بچانے کا ہے
- لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
- اخبار جہاں، طب وصحت، وغیرہ وغیرہ

رمضان المبارک کا آخری عشرہ

بین السطور

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اللہ رب العزت نے ہمیں رمضان المبارک کے تین عشرے دیے تھے، دو عشرے سے ہم گذر گئے، اللہ کی توفیق سے جتنی عبادت ممکن ہو سکی کرنے کا اہتمام کیا گیا، رحمتوں کے حصول کے ساتھ مغفرت کی امید بھی بندھی، اب تیسرا اور آخری عشرہ شروع ہو گیا ہے، رمضان پورا مہینہ گو رحمتوں اور برکتوں والا ہے، اس کے باوجود پہلے عشرہ کے مقابلہ میں آخری عشرہ کی اہمیت وفضیلت بڑھی ہوئی ہے، اس لیے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہمیں شب قدر کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے اور ایک شب قدر کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے، ذرا سوچیے! اللہ کی نوازش اور عطا کا، اگر ہم نے رمضان کی پانچ راتوں میں اللہ کو راضی کرنے کے لیے محنت کر لیا تو سابقہ امتوں کی بڑی عمر اور ان کی عبادت سے ہم کس قدر آگے بڑھ جائیں گے، یہ رات ہمیں یقینی مل جائے اس کی لیے ہمیں اللہ کے دربار میں پڑ جانا چاہیے، اسی دربار پڑ جانے کا شرعی نام اعتکاف ہے، جب بندہ بوریا، بستر لے کر اکیس کی رات سے مسجد میں اور عورتیں گھر کے کسی کونے میں جگہ مختص کرکے بیٹھ جاتی ہیں اور شب وروز علائق دنیا اور کاروبار زندگی سے الگ ہٹ کر صرف ذکر اللہ، تلاوت قرآن، نماز، تراویح، تہجد میں وقت صرف ہوتا ہے تو اللہ کی خصوصی رحمت اس بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اسے شب قدر بھی یقینی طور پر مل جاتی ہے، جو جہنم سے گلو خلاصی کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس لیے ہر گاؤں، محلہ کی مسجدوں میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، وقت ہو اور سہولت میسر ہو تو ان اوقات کا کسی اہل اللہ کی معیت میں گذارنا زیادہ کارآمد اور مفید معلوم ہوتا ہے، تزکیہ نفس اور اصلاح حال کے لیے اہل اللہ کی صحبت کیمیا کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے اہل اللہ کے یہاں آخری عشرہ کے اعتکاف میں مریدین، متوسلین اور معتقدین کا بڑا مجمع ہوتا ہے اور وہ ان کی تربیت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

جو لوگ اعتکاف میں نہیں بیٹھتے ہیں، ان کے یہاں اس سلسلہ میں کافی کوتاہی پائی، اس رات کی عبادت کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو رات جگے میں اسے گذار دیتے ہیں، مسجد میں بیٹھ کر دنیا جہاں کی گپ میں لگے ہوتے ہیں، ایک تو رمضان کی رات دوسری شب قدر، اور تیسرے اللہ کا گھر، ظاہر ہے یہ رات جگے اللہ رسول کے حکم وہدایت کے مطابق نہیں ہیں، اس لیے مسجد میں گپ بازی سے ثواب کے بجائے الٹے وبال کا امکان ہے، اس لیے اس طرح کی حرکتوں سے گریز کرنا چاہیے، جس قدر شرح صدر کے ساتھ عبادت ہو سکے، کرے، لوگوں کو دکھانے کے لیے رات بھر جاگنا اور لہو ولعب میں جمار رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

بعض حضرات اکیس (۲۱)، تئیس (۲۳)، پچیس (۲۵) اور انتیس (۲۹) تاریخ میں شب قدر کی تلاش کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، وہ صرف ستائیس کی رات کو ہی شب قدر مانتے ہیں اور اس رات میں زیادہ اہتمام کرتے ہیں، یہ طریقہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کی تلاش کا حکم دیا ہے، رہ گئی صرف ستائیس کو، ان میں سے بعضے منطقی گفتگو کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے سورۃ القدر میں تین بار لیلۃ القدر کا ذکر کیا ہے اور ایک لیلۃ القدر میں نو حروف ہیں، اس طرح تینوں لیلۃ القدر کے حروف کے اعداد ستائیس ہوتی ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ شب قدر ستائیس کی رات کو ہے، لیکن چوں کہ یہ منطقی احادیث کے خلاف ہے اس لیے اس کی حیثیت ذہنی ورزش سے زیادہ کچھ نہیں، بعض احادیث میں بھی ستائیس کا ذکر آیا ہے، لیکن محدثین نے طاق راتوں میں تلاش کرنے کی روایت کو درست قرار دیا ہے، بعض بزرگوں نے بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ستائیس کی شب کو شب قدر پایا، یہ ان کا مکاشفہ ہو سکتا ہے، لیکن ہم تو پابند اسی کے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بعض لوگ اعتکاف میں بیٹھ کر بھی اللہ کی عبادت سے زیادہ دنیا کی فکر میں لگے رہتے ہیں، دوسرے متعلقین کے ساتھ غیر ضروری گفتگو میں زیادہ وقت گذار دیتے ہیں، یہ طرز عمل بھی غیر مناسب ہے، اس سے احتیاط برتنا چاہیے۔

تراویح کی نماز اس عشرے میں بھی پہلے دو عشرے کی طرح ہوتی ہے، لیکن ہمارے یہاں ہندوستان میں تین روزہ، دس روز، پندرہ روز میں عموما تراویح میں قرآن کریم سن لیا جاتا ہے اور حفاظ سنایا کرتے ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہماری تراویح ختم ہو گئی، یہ ایک غلط تعبیر ہے جو ہمارے یہاں رائج ہے، تراویح کی نماز چاند دیکھ کر شروع کرتا اور چاند دیکھ کر بند کرتا ہے، تراویح میں پورا قرآن سن لینا ایک کام ہے اور پورے مہینے میں تراویح کی نماز پڑھنا دوسرا کام، اس کی وجہ سے جو لوگ تراویح میں ایک قرآن سن لیتے ہیں چاہے وہ چھتے دن میں ہو، تراویح پڑھنے میں سستی کرنے لگتے ہیں اور سورہ تراویح پڑھنے کو زائد عمل سمجھتے ہیں، یہ سوچ غیر شرعی ہے، تراویح کی نماز کا اہتمام پورے مہینہ کرنا چاہیے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کو راہ نہیں دینی چاہیے، اس موقع نہ ہو تو تنہا ہی پڑھ لے، لیکن پڑھے، تراویح کی نماز سے محرومی بدبختی کی بات ہے۔

کئی لوگ کسی خفگی، امام سے رنجش، مقتدیوں سے چپقلش کی وجہ سے مسجد حاضر نہیں ہوتے اور اپنے دروازہ پر ہی تنہا نماز پڑھ لیتے ہیں، یہ عام دنوں میں بھی غلط ہے، خصوصا رمضان المبارک جیسے مہینے میں مسجد میں حاضری سے محرومی بہت افسوس کی بات ہے، ایسے لوگوں کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے کہ جب سارے لوگ مسجد کا رخ کرتے ہیں، اللہ نے کسی بدعملی یا بے عملی کی وجہ سے رمضان المبارک میں اپنے گھر سے دور کر رکھا ہے۔

رمضان کے اخیر عشرہ میں ہی عموما عید گاہ جانے سے پہلے تک صدقۃ فطر مسلمان نکالتے ہیں، یہ بھی رمضان المبارک کی خاص عبادت ہے، اس سے غریبوں کے لیے ان نفقہ کا انتظام ہو جاتا ہے، اس رقم کا استعمال اپنے غریب رشتہ داروں، پاس پڑوس کے محتاجان اور ضرورت مندوں کے لیے کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ لوگ اس رقم کے زیادہ مستحق ہیں، آپ کے تعاون سے ان کی عید بھی اچھی گذر جائے گی اور اللہ کی میزبانی کا یہ لوگ بھی فائدہ اٹھائیں گے، فقہاء کی ایک تعبیر الفع للفقراء کی بھی ہے، یعنی وہ چیز جس سے فقراء کو زیادہ فائدہ پہونچے، صدقۃ الفطر عام طور پر نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت جو مقامی ہوتی ہے کے حساب سے نکالا جاتا ہے، یہ رقم کم از کم پچاس روپے بنتی ہے، لیکن اگر کھجور، کشمش وغیرہ سے فطرہ نکالیں گے تو ان اجناس کے گراں ہونے کی وجہ سے قیمت بڑھ جائے گی اور ان کی مقدار بھی ایک صاع ہے، اس لیے ہر اعتبار سے یہ فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہے، اس لیے جو لوگ استطاعت رکھتے ہوں وہ دوسری اجناس سے بھی فطرہ نکالیں تو بہتر ہوگا، یہ ایک مشورہ ہے، ہم کسی پر لازم نہیں کر سکتے کہ وہ فلاں چیز سے ہی فطرہ نکالے، جب شریعت نے اختیار دیا ہے تو ہمیں کیا حق ہے پہونچتا ہے کہ کسی ایک چیز کو خاص کریں۔

اس عشرہ کا اختتام عید الفطر کے چاند دیکھنے پر ہوتا ہے، عید کا چاند دیکھنے کے بعد رمضان کے رخصت ہونے کی حسرت عید کی خوشی پر غالب آ جاتی ہے، اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جس طرح شیطان قید وبند سے آزاد ہوا، اسی طرح ہم بھی آزاد ہو گئے، پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں اور اس رات کو قسم قسم کے خرافات سے آلودہ کیا جاتا ہے، نوجوانوں کے لیے یہ رات بھی رت جگے کی ہو جاتی ہے، حالانکہ حدیث میں اس رات کا نام لیلۃ الجائزہ، انعام والی رات ہے، مہینے بھر جو عبادت کی گئی اس کا انعام اب ملنے والا ہے، ابھی انعام ملا نہیں کہ تماشے شروع ہو گئے، اچھے اچھے لوگوں کو دیکھا کہ وہ عید کی صبح فجر کی نماز سے غائب تھے، حالانکہ فجر کی نماز تو فرض ہے، پہلے ہی دن رمضان کا اثر ختم ہو گیا، حالانکہ رمضان تربیت کا مہینہ تھا اور اس ایک ماہ کی تربیت کا اثر گیارہ ماہ تک باقی رہنا تھا، زندگی اور اعمال میں تبدیلی آنی تھی، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا، اس کا مطلب ہے کہ ہمارے روزے اور عبادتیں اس پایہ کی نہیں ہو پائیں جو شریعت کو مطلوب ہے اور جس کے نتیجے میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ذرا سوچیے! اور اپنا محاسبہ کیجئے! شاید اس محاسبہ کے بعد ہم اپنے اندر تبدیلی پیدا کر سکیں۔

> **یاد رکھیے!**
>
> **"زندہ قومیں خوف کے ماحول میں نہیں رہتیں، وہ جان دے کر اپنی تاریخ بناتی ہیں، وہ نظم وضبط کے ساتھ زندگی گذارتی ہیں، انہیں اپنے قائدین پر لا زوال اعتماد ہوتا ہے، اور وہ ملت کی زندگی کے لئے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتی ہیں، آپ کو ان چیزوں سے سبق لینا چاہیے!"**
>
> **(حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ)**

اچھی باتیں

کامیابی چاہتے ہو تو موقع دینے والوں کو کبھی دھوکہ مت دینا اور دھوکہ دینے والوں کو کبھی موقع مت دینا ☆☆ دولت، رتبہ اور اختیار ملنے سے انسان بدلتا نہیں، اس کا اصلی چہرہ سامنے آ جاتا ہے ☆☆ خوش نصیب وہ جو اپنے نصیب پر خوش ہے ☆☆ کسی کا دل مت دکھاؤ اس کے آنسو تمہارے لیے سزا بن سکتے ہیں ☆☆ بے خوف ہونے کے لیے باکردار ہونا ضروری ہے۔ (حاصل مطالعہ)

بلا تبصرہ

"مودی کے دور میں مسلم دشمنی کا یہ سلسلہ تھمنے والا نہیں، نوراتری کے موقع پر گوشت بیچنے پر پابندی، رام نومی کی آڑ میں تشدد، لاؤڈ اسپیکر پر اذان بند کرنے کا شوشہ اسی زمرے میں آتا ہے، اس کا مقابلہ مسلمانوں کو برادران وطن کے انصاف پسند طبقے کو ساتھ لے کر کرنا ہوگا، کیا ہم اس کے لیے تیار ہیں" (انقلاب ۱۵ر اپریل خالد شیخ)

Scanned with CamScanner

اللہ کی باتیں ــــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

عید کا دن انعام واکرام کا دن

''اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی اور جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے اس پر شکریہ ادا کرو''

مطلب: اللہ رب العزت نے ہمیں ایمان ویقین کی دولت سے نوازا اور ساتھ ہی صحت وتندرستی کی نعمت عطا کی جس کے ذریعہ ہم اللہ کی عبادت وبندگی اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے، اپنے مالک کے سامنے سر جھکا کر اپنی کمی وکوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے معافی مانگی، رمضان کے مبارک مہینہ میں نماز وتلاوت کا اہتمام کیا، خواہشات کو قربان کیا اور روزہ کو اس کے آداب وسنن کے ساتھ رکھا، تراویح کی نمازوں کا اہتمام کیا، یہ سب چیزیں توفیق خداوندی سے حاصل ہوئیں ورنہ ہمارے شہر، گاؤں اور محلہ میں بہت سے لوگ رہتے ہیں، مگر ان میں بعض بستر علالت پر پڑے ہوئے ہیں، معذوری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی توفیق نہیں مل سکی، ویسے لوگ بھی تھے جو صحت مند تھے، ماحول سازگار تھا لیکن روزہ نہیں رکھا، اس لئے کہ اللہ نے ان کو توفیق ہی نہیں دی، اس کے بالمقابل اللہ نے ہم صحت مندوں کو ساری چیزیں اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، جس پر اللہ کی بڑائی بیان کرنا چاہئے، چنانچہ جب عید کا دن آتا ہے تو روزہ دار بندوں کا دل اللہ کی حمد اور اس کے ترانہ شکر سے لبریز ہوتا ہے، دماغ اعتماد اور بلندی کے احساس سے معمور ہوتا ہے اور خدا کے حضور دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کرتا ہے، یہ شکرانہ ہے رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی توفیق حاصل ہونے کا اور یہی ہے عید مسرت جو ایک مومن بندہ کو انعام کے طور پر ملی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ عید درحقیقت ایک قدرتی پھل ہے، رمضان کے درخت کا، اگر رمضان کا درخت نہیں ہے اور اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ نہیں ہے وہ درخت شاداب نہیں ہے اور اس درخت کی تمام جڑیں محفوظ نہیں ہیں تو اس درخت سے کبھی پھل پیدا نہیں ہوسکتا اور اسے پھل کا کوئی استحقاق نہیں ہوسکتا، وہ شخص جو کوئی درخت نہ لگائے اس درخت پر محنت نہ کرے اور اس کو پانی نہ دے اس کو اس درخت کے پھل کھانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ بے درخت کے اس کو پھل مل جائیں گے، ایسے ہی رمضان کے روزوں کے بغیر اللہ کے انعام واکرام کا مستحق نہیں ہوسکتا، اس لئے مبارکباد کے مستحق ہیں وہ لوگ جنہوں نے رمضان کے پورے روزے رکھے، تلاوت اور ذکر وتسبیح سے اپنے دلوں کو منور کیا عید کا دن ان کے لئے اکرام کا دن ہے۔

اب عید کے دن مسلمانوں کو محاسبہ کرنا چاہئے کہ روزوں کی برکت سے انہوں نے کتنے گناہ سے توبہ کی اور نیکیوں میں کتنا اضافہ کیا، جو شخص رمضان میں اور اس کے بعد بھی انہیں معصیتوں میں مبتلا رہا، اس کے لئے یوم عید، یوم وعید ہے، ایک عارفؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

عیدگاہ ما غریباں کوئے تو   انبساط عید دیدن روئے تو

ہدیے تحفے دیا کرو

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے، تحفے دیا کرو، ہدیہ دلوں کی کدورت کو دور کرتا ہے، تعلقات کو بہتر بناتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیے کیلئے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے'' (ترمذی شریف)

وضاحت: ہدیہ وتحفہ لینے دینے سے آپس کے تعلقات وروابط مضبوط ومستحکم ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے لئے خیرخواہی کا جذبہ ابھرتا ہے اور تعلق خاطر میں اضافہ ہوتا ہے اسی لئے احادیث میں ہدیہ وتحفہ کو خوشی سے قبول کرنے کی ترغیب دی گئی اور صحابہ کرام کو اس کی تلقین بھی فرمائی کہ آپس میں ہدیہ وتحفہ دیا کرو، اس سے دلوں کی کدورت اور رنجش دور ہوگی اور محبت میں اضافہ ہوگا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ کرام ایک دوسرے کو کثرت سے ہدایا پیش کرتے اور دوسرے صحابہ خوشی سے قبول کرتے تھے، یہی مکارم اخلاق کا تقاضہ بھی ہے کہ اگر ہدیہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ معمولی چیزیں بھی پیش کی جائیں تو اس کو حقیر اور کمتر نہ سمجھا جائے، مناسب تو یہی ہے کہ ہدیہ میں عمدہ اور نفیس چیزیں پیش کی جائیں اور اس کے بدلہ اور صلہ میں کوئی دوسری چیزیں ہدیہ دینے والے کو بھی دی جائے اگر کچھ دینے کے لئے نہ ہو تو بطور شکر کے کلمہ خیر یعنی جزاک اللہ ضرور کہا جائے، لیکن بدقسمتی ایسی کہ مسلمانوں کے درمیان سے اس سنت کا اہتمام ختم ہوتا جارہا ہے، صرف مخصوص اصحاب وارباب کو ہدیہ پیش کرنے کا رواج باقی رہ گیا ہے؛ لیکن اپنے دوست وپڑوسی کے یہاں ہدیہ بھیجنے کا رواج ہی کم ہوگیا ہے یا ختم ہوتا جارہا ہے، اور تھوڑا بہت باقی بھی ہے تو اس میں خودغرضی کی آمیزش ہے، اگر دینے والے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر طعن وتشنیع شروع کردیتے ہیں حالانکہ احادیث میں ہدیہ وتحفہ کو رضائے الٰہی اور قرب خداوندی کا بھی ذریعہ بتایا گیا ہے، لہذا ایمان والوں کو ہر ایسے اقدام سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے سنت رسول کی اہانت ہوتی ہو، اس لئے ہدیہ صرف اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر دیجئے تاکہ معاشرتی زندگی میں امن وسکون کی فضا قائم ہو، اپنائیت کو فروغ حاصل ہو اور دلوں کی کدورت دور ہو، کچھ ہدایے ایسے ہیں جنہیں خوشدلی سے قبول کرنا چاہئے، جس کی حدیث پاک میں تلقین بھی آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہئے، تکیہ، تیل اور دودھ، غور کیجئے تو پتہ چلے گا یہ تینوں چیزیں انسانی ضروریات میں شامل ہیں، اس کو دینے اور لینے میں دل میں فرحت وانبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، ایک حدیث میں خوشبودار چیزیں خواہ وہ عطر کی صورت میں ہو یا پھول وپھل کی شکل میں اس قبول کرنا چاہئے کیونکہ خوشبودار پھول جنت کا تحفہ ہے، البتہ ہدیہ میں لینے والے کی ضروریات کو پیش نظر رکھنا زیادتی محبت کا وسیلہ ہے، انہیں بنیادوں پر بہت سے اکابر کے یہاں نقد کی شکل میں ہدیہ دینے کا معمول رہا ہے، تاکہ لینے والے اپنی ضرورت کے لحاظ سے سامان خرید سکیں، بہرحال روپے، پیسے ہوں یا دوسری اشیاء آپس میں اس کو رواج دیا جائے "تہادو تحابو" ہدیہ دیتے رہو تاکہ محبت وانس پیدا ہو۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

اعتکاف کی شرعی حیثیت:

رمضان المبارک کے عشرۂ اخیر کے اعتکاف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجـــــــواب و باللّٰہ التوفیق

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، محلہ کی مسجد میں کوئی شخص بھی اعتکاف کر لے، تو محلہ کے بھی لوگ بری الذمہ ہوجائیں گے۔ ورنہ ترک سنت کا گناہ سب پر ہوگا۔

و سنة مؤكدة في العشر الاواخر من رمضان اى سنة كفاية۔(قوله سنة كفاية)نظيرها اقامة التراويح بالجماعة فاذا قام البعض سقط الطلب عن الباقين۔ (رد المحتار ۱۲۹/۲)

اعتکاف پر اجرت لینا:

محلہ کی مسجد میں اہل محلہ میں سے کوئی شخص اعتکاف کے لیے تیار نہ ہو تو کسی کو اجرت دے کر اعتکاف میں بٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجـــــــواب و باللّٰہ التوفیق

اعتکاف چونکہ عبادت ہے، اس لیے اسے محض اللہ کی خوشنودی اور اخروی اجر وثواب کی نیت سے کرنا چاہئے۔ اگر کسی شخص کو اجرت پر طے کرکے اعتکاف میں بٹھایا گیا تو سنت تو سب کی طرف سے ادا ہوجائے گی، البتہ اجرت لینا اور دینا دونوں غلط ہوگا۔ و لا تصح الاجارة لعسب التيس...... ولا لأجل الطاعات (الدر المختار على هامش رد المحتار باب الاجارة الفاسد ۳٤/٥)

اعتکاف میں تاخیر سے بیٹھنا:

مسجد میں کسی کو اعتکاف میں نہ آتے دیکھ کر ایک شخص اعتکاف میں عشاء سے قبل آیا تو اعتکاف مسنون ادا ہوگا یا نہیں؟

الجـــــــواب و باللّٰہ التوفیق

معتکف کا رمضان کی بیسویں تاریخ کو سورج ڈوبنے سے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں حاضر ہونا اور عید کا چاند نظر آنے تک اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ٹھہرے رہنا ضروری ہے، اگر اکیسویں شب کا کچھ حصہ گذر جانے کے بعد اعتکاف کی نیت سے مسجد میں آیا تو اعتکاف مسنون ادا نہ ہوگا، بلکہ نفلی اعتکاف ہوگا، جس کا ثواب معتکف کو ملے گا، البتہ اعتکاف مسنون ادا نہ ہونے کی وجہ سے اہل محلہ سب کے سب گنہگار رہوں گے۔

فعلیٰ هذا يدخل المسجد قبل الغروب و يخرج بعد الغروب من آخر يوم كما صرح قاضى خان (البحر الرائق ۳۰٥/۲)

معتکف کا جنازہ میں شرکت کے لیے جانا:

کیا معتکف جنازہ میں شرکت کی غرض سے مسجد سے باہر جا سکتا ہے؟

الجـــــــواب و باللّٰہ التوفیق

معتکف حالت اعتکاف میں نماز جمعہ، پیشاب وپاخانہ، وضو اور غسل فرض کی ضرورت سے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے، اس کے علاوہ مریض کی عیادت یا جنازہ میں شرکت کی غرض سے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا اور ایک دن کے اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت: السنة على المعتكف ان لا يعود مريضا و لا يشهد جنازة الخ فلو خرج لجنازة محرمة أو زوجته فسد لانه و ان كان عذرا الا انه لم يعتبر فى عدم الفساد (طحطاوى على مراقى الفلاح/۳۸۲)

اعتکاف مسنون بغیر روزہ کے:

کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے اور اس کے بغیر اعتکاف مسنون ادا ہوگا یا نہیں؟

الجـــــــواب و باللّٰہ التوفیق

عشرۂ اخیرہ کے مسنون اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے، بغیر روزہ کے اعتکاف مسنون ادا نہیں ہوگا، بلکہ نفل ہو جائے گا، اگر اعتکاف مسنون کے دوران کسی معتکف کا روزہ کسی وجہ سے ٹوٹ گیا یا کسی دن کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکا تو اس دن کا اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اور ایک دن کے اعتکاف کی قضا لازم ہوگی۔ اب اس کو اختیار ہے یا تو اسی رمضان میں قضا کر لے یا بعد میں نفلی روزہ رکھ کر اعتکاف کرلے۔

و لو أكل أو شرب فى النهار عامدا فسد صومه و فسد اعتكافه لفساد الصوم (بدائع الصنائع ۱۱٦/۲)و اذا فسد الاعتكاف الواجب وجب قضاؤه فان كان اعتكاف شهر بعينه اذا افطر يوماً يقضى ذالك اليوم (الفتاوىٰ الهنديه ۲۱۳/۱)

عورت کا اعتکاف گاہ سے باہر جانا:

کیا عورت اپنے اعتکاف کی جگہ سے گھر کے کام کاج کے لیے یا مریض کی عیادت کے لیے باہر نکل سکتی ہے؟

الجـــــــواب و باللّٰہ التوفیق

عورت نے اعتکاف کے لیے جس کمرہ کو متعین کرلیا ہے، وہ اس کا جائے اعتکاف ہے، اس سے بلاضرورت باہر جانے کی اجازت نہیں ہے، اگر وہ مریض کی عیادت یا گھر کے کام کاج کو انجام دینے کے لیے باہر نکلے گی تو اعتکاف مسنون فاسد ہوجائے گا اور نفل ہوجائیگا، ایک دن کے اعتکاف کی قضاء اس کے ذمہ لازم ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڈیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب

پھلواری شریف

جلد نمبر 62/72 شمارہ نمبر 16 مورخہ ۲۳/رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۵/اپریل ۲۰۲۲ء بروز سوموار

اذان کی آواز

اذان اللہ تعالیٰ کی بڑائی، عظمت وکبریائی، رسالت محمدی اور فلاح انسانی کی کامل اور مکمل دعوت کا اعلان ہے، یہ اعلان ہر کسی کے کان میں پہونچ جائے اس کے لئے ہر دور میں اذان بلند آواز سے دی جاتی رہی ہے، بعض کلمات پر دائیں بائیں گھوما جاتا رہا ہے، تاکہ یہ آواز ہر سمت میں گونجے، جو مسجد آنے والا ہے اسے نماز کے وقت کا احساس وادراک ہو جائے اور وہ کاروبار زندگی اور مسائل حیات کو چھوڑ کر اللہ کے گھر کا رخ کرلے، لیکن جو مسجد نہیں آرہا ہے، اس کے کانوں تک بھی یہ آواز پہونچ جائے اور اس کا دل ودماغ بھی اللہ کی کبریائی کے تصور سے معمور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ذکر سے اس کے کان آشنا اور فلاح وکامیابی کے حقیقی خیالات سے اس کا ذہن شاد کام ہو، یہ اتنا بڑا فائدہ ہے کہ اس فائدے کے حصول کے لیے ہر آدمی کو کوشاں رہنا چاہیے۔

دنیا نے ترقی کی اور تیز آواز کی مشین ایجاد ہوئی تو اب اونچی جگہ سے اذان دینے کے بجائے لاؤڈ اسپیکر سے اذان دیا جانے لگا، تاکہ دور تک اس کی آواز پہونچے، مسلمانوں نے اس کا استعمال شروع کیا اور دوسرے مذاہب والوں میں بھی بھجن کیرتن اور دوسرے کاموں کے لئے اس مشین کا چلن عام ہوا، سب کا مقصد یہی تھا کہ آواز دور تک پہونچائی جا سکے، اس کے لیے لاؤڈ اسپیکر کے ہارن کا دوسرے مذاہب والوں نے اس کثرت سے استعمال کیا کہ جب تک ان کے پوجا کا زمانہ ہوتا ہے، کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی اور بہت سارے کاموں میں یہ آواز خلل ڈالتی ہے، اس کے لئے سرکاری طور پر پابندی لگائی گئی اور دس بجے رات کے بعد اس کا استعمال کرنا بعض مخصوص حالتوں میں دی جانے والی اجازت کو چھوڑ کر ممنوع ہے، تاکہ لوگوں کے معمولات میں خلل نہ پڑے۔

اذان جن اوقات میں دی جاتی ہے، ان اوقات میں لوگوں کے معمولات میں خلل کا سوال نہیں پیدا ہوتا، پھر یہ اذان مختصر ہوتی ہے اور پانچ منٹ سے کم میں ہی مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کی ادائیگی حسن صوت کے ساتھ دلوں میں ایک خاص کیفیت پیدا کرتی ہے، اذان کے کلمات میں صوتی ہم آہنگی اس قدر ہے کہ فضا میں گونج رہی یہ آواز دل کے اندر ارتعاش پیدا کرتی ہے اور انسان ان کلمات میں کھو کر رہ جاتا ہے، یہ حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اس کے معنی نہیں سمجھتے، جو معنی سمجھتے ہیں، وہ ان کلمات سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان کے پاؤں خود بخود مسجد کی طرف رواں ہو جاتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ اذان کے بعد ایک ہی دروازہ کھلا ہوتا ہے اور وہ اللہ کے گھر کا دروازہ ہے۔

سینکڑوں سال سے یہ سلسلہ جاری ہے، سماج اس کا عادی ہو چکا ہے، بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اس کی قدر کرتے ہیں، خصوصا فجر کی اذان اس لئے زیادہ مفید ہوتی ہے کہ لوگ بغیر گھڑی اور موبائل دیکھے ہوئے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ صبح ہوگئی، سونے کا وقت ختم ہوا اور اب اللہ ایشور کو یاد کرنے کا وقت ہے، اور اس کام سے فراغت کے بعد حصول معاش کی تلاش میں لگ جانا ہے، جو لوگ صبح سویرے اٹھنے کے عادی ہیں اور اس کو صحت کے لئے مفید سمجھتے ہیں، ان کے لیے اذان کی آواز بغیر خرچہ کے الارم کا کام کرتی ہے اور وہ اس کو سن کر بیدا ہو جاتے ہیں اور اپنی مشغولیات میں لگ جاتے ہیں، اس کی افادیت کو محسوس کرتے ہیں۔ لیکن بُرا ہو اس ملک کی عدم رواداری کے اس ماحول کا جو گذشتہ چار سالوں سے اس ملک میں پروان چڑھا ہے، اس ماحول کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں سے جڑی ساری چیزوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ہر کام میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، کوئی ایک آدمی اسلام کے خلاف کچھ کہہ دیتا ہے، میڈیا اس کا ٹرائل شروع کرتا ہے اور چن چن کر ایسے لوگوں کو پیش کرتا ہے جو اسلامی علوم وافکار سے واقفیت نہیں رکھتے، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اسلام کی غلط تصویر لوگوں تک جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا ابو القاسم صاحب مدظلہ نے ایسی بحثوں کے بائیکاٹ کا مشورہ دیا ہے، لیکن جو لوگ میڈیا میں اپنے کو بنے رکھنا چاہتے ہیں وہ اس مشورہ پر ہی سوالات کھڑے کر رہے ہیں۔

دل کی حفاظت

دو حرف کا ایک چھوٹا سا لفظ دل، انسان کی ساری تگ ودو کا مرکز اور اعمال کا سرچشمہ ہے، یہ صالح رہتا ہے تو جسم سے اچھے اعمال کا صدور ہوتا ہے اور یہ بگڑ گیا تو اعمال فساد وبگاڑ کے شکار ہو جاتے ہیں، گوشت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر خیر وشر کا مدار ہے اور صوفیاء کے یہاں اصل زندگی دل کی زندگی ہے اور زندگی عبارت اسی کے جینے سے ہے، اسی لیے شاعر نے کہا ہے کہ "زندگی زندہ دلی کا نام ہے، مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں" اور یہ کہ "دل زندہ تو نہ مرجائے کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے"۔

حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، پھر اگر اس نے توبہ کے پانی سے اسے دھو دیا تو قلب صاف ہو جاتا ہے اور اس میں نیکیوں کی فصل لگنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اگر توبہ کی توفیق نہیں ہوئی تو گناہ کرتے کرتے دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، اس مرحلہ میں جانے کے بعد نیکیوں کی توفیق نہیں ہوتی اور اسکے دل کان اور آنکھ پر مہر لگ جاتی ہے۔ اب اس کے پاس دل تو ہے؛ لیکن وہ سمجھتا نہیں؛ اس کے پاس آنکھ ہے لیکن دیکھتا نہیں، اور اس کے پاس کان ہے، لیکن سنتا نہیں، اس کی اس حالت کی وجہ سے اس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت، کیوں کہ پتھروں سے تو بسا اوقات چشمے پھوٹتے ہیں، اور نہریں جاری ہوتی ہیں، پانی نکل آتا ہے اور کبھی کبھی وہ خشیت الٰہی سے گر بھی پڑتے ہیں، لیکن یہ گوشت پوست کا انسان اس سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے اور اس کے دل اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں اور اس کے کان اچھی باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور بالآخر وہ اپنی زندگی کے دن مکمل کر کے قبر میں جا سوتا ہے اور آخرت میں اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

دل کو جن چیزوں سے سخت نقصان پہونچتا ہے، ان میں عناد، کبر، حسد، بغض، نفاق اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کو ہوا دینا ہے، جس دل میں نفرت کی آگ جل رہی ہو، اس میں محبت کے پودے نہیں لگا کرتے، یہی حال کبر کا ہے، کبر کے ساتھ اللہ کی عظمت جمع نہیں ہوتی، ہر حال میں اللہ کی بڑائی کا اقرار ہی دل کی دنیا بدل سکتی ہے، اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع اور انکساری کی ہدایت کی، تواضع دل کا ہی عمل ہے، یہ عمل جتنا مکمل ہوگا اللہ ورسول کے احکام وہدایت پر عمل کرنے کے لیے دل اسی قدر آمادہ وتیار ہوگا۔ دل کو صالح رخ دینے میں عفو ودرگذر، تحمل وبرداشت اور حسد وکینہ سے پاک ہونے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، ان اوصاف کے بغیر دل اس مقام ومرتبہ تک نہیں پہونچ سکتا، جس کی امید ایک مؤمن سے کی جاتی ہے۔

اس لیے دل کو دل بنانے کی کوشش کرنی چاہیے یہ آسانی سے نہیں بنتا، لاکھ رگڑیں کھا کر دل، دل بنتا ہے، بے راہ روی کے اس دور میں دل کی حفاظت بڑا کام ہے اور اس بڑے کام کے لیے سخت ریاضت اور "درد دل" کی ضرورت ہے، بقول بہادر شاہ ظفر: درد دل کے واسطے ہی انسان کو پیدا کیا گیا ہے، جہاں تک طاعت وبندگی کا سوال ہے وہ تو اللہ کی ہر مخلوق کر رہی ہے اور انسان سے زیادہ پابندی سے کر رہی ہے۔

دل کو درست کرنے کے لئے اہل دل کی صحبت ومعیت ضروری ہے، اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو تقویٰ اور صدیقین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، دل میں محبت الٰہی اور خشیت خداوندی پیدا کرنے کے لیے کسی ایسے کی صحبت میں رہنا چاہیے جو یہ آگ دل کی دنیا میں لگا سکے، دراصل یہ آگ لگتی نہیں، لگائی جاتی ہے، اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کے دل میں یہ دولت وافر مقدار میں موجود ہو اور اسے اپنے ساتھ رہنے والے پر خرچ کا سلیقہ بھی آتا ہو، بزرگوں کی خانقاہیں اور اہل اللہ کی گلیاں تجربہ سے اس کام کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوئی ہیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے وافر مقدار میں "دوائے دل" ملتی ہے، ضرورت تلاش کی ہے، جستجو کی ہے، صحیح اور فکر مند اہل اللہ کے دروازے پر پڑے رہنے کی ہے، میرے خیال میں یہ بات صحیح نہیں ہے کہ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دوکان اپنی بڑھا گئے۔ تلاشیے، شاید آپ کے قریب ہی کوئی دل کو صیقل کرنے والا موجود ہو۔

رشتوں کی پہچان

صلہ رحمی اور رشتوں کے احترام کی تاکید اسلامی احکام کا اہم حصہ ہے، بھائی بہن، شوہر بیوی، والدین، بیٹے، بیٹیاں اور دوسرے اعزہ واقربا کے سلسلہ میں ہمیں یہ احکام یاد بھی رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مغرب کی طرح یہاں خاندان ٹوٹتے بکھرتے نہیں ہیں، اور دور دراز کے رشتوں کو بھی یاد رکھا جاتا ہے، یقینا ہمارے یہاں بھی اس معاملہ میں کمی آئی ہے، لیکن ہم نے مغرب کی نقالی میں ان تعلقات کو ابھی پیچھے نہیں چھوڑ رہے، یہ ایک اچھی بات ہے اور اس کو مستحکم اور پائیدار بنانے کے لیے مزید کوشش کرنی چاہیے یہ اسلامی تقاضہ بھی ہے، اور ایمانی مطالبہ بھی۔

ان رشتوں کے علاوہ بھی ایک رشتہ ہے، یہ رشتہ ہندوستان کی دیگر اقوام وملل کے ساتھ مسلمانوں کا ہے، ان رشتوں کے بارے میں بھی ہمیں حساس ہونے کی ضرورت ہے، ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں دیگر مذاہب کے جو لوگ ہیں، یا جو خدا بیزار ہیں، کسی دین کو نہیں مانتے ہیں، ان تمام سے بھی ہمارا رشتہ بھائی بھائی کا ہے، ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں اور ہم سب کے جد امجد حضرت آدم ہی ہیں، یہ رشتہ ایک دوسرے کے تئیں انسانی ہمدردی، ایک دوسرے کی معاونت اور مشترکہ معاملات میں رواداری پر مبنی ہونا چاہیے، ہم ایک ایسے سماج میں ان رشتوں کو پروان چڑھائے بغیر زندگی نہیں گذار سکتے جہاں ہمیں ہر ہر قدم پر دوسرے مذاہب والوں ساتھ ہے، اس معاملہ میں بقائے باہم کے اصول کو سامنے رکھنا چاہیے، ظلم وستم کی گرام بازاری سب کے یہاں ناپسندیدہ، حق مارنا سب کے یہاں مذموم اور ناپسندیدہ ہے، سیرت مبارکہ میں ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اس کے لئے واضح اشارات موجود ہیں، حلف الفضول اور میثاق مدینہ کی بنیاد پر غیر مسلموں سے تعلقات استوار کرنا چاہیے ان کی خوشی وغمی میں شرعی حدود کو سامنے رکھ کر شریک ہونا چاہیے، اعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ اور ترویج واشاعت میں ان کو ساتھ لینا چاہیے اس سے غیر مسلم سماج کے دلوں سے ان وساوس اور خدشات کو دور کیا جا سکے گا جو فرقہ پرست لوگوں نے غلط طور پر ان کے ذہن ودماغ میں ڈال رکھا ہے۔

یہ تعلقات استوار ہوں گے تو ان لوگوں سے جو ہمارا دوسرا رشتہ داعی اور مدعو کا ہے، اس رشتے کو حقیقت کا روپ دینا ممکن ہو سکے گا، واقعہ یہ ہیکہ مسلمان ایک داعی قوم ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور لوگوں تک اللہ کا پیغام پہونچائے۔ انہیں بتائیں کہ زندگی گذارنے کا وہی طریقہ مکمل ہے جو اللہ کے رسول نے ہمیں بتایا ہے، دنیا کے تمام مسائل ومشکلات کا حل اسلام میں موجود ہے، ظاہر ہے دعوت کے اس کام کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے دل میں مدعو قوم کے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہو، ہم ان سے نفرت نہ کریں اس لیے کہ کفر مرض ہے، وہ قابل نفرت ہے، لیکن مریض قابل نفرت نہیں ہوتا، ایک اچھے ڈاکٹر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مریض سے نفرت نہ کرے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدعو قوم سے اس قدر محبت کرتے تھے انہیں ایمانی راستے پر لانے کے لیے اتنا کڑھتے رہتے تھے۔ قلب مبارک میں ایسی درد وکسک تھی کہ قرآن نے اس کا نقشہ کھینچتے وقت کہا کہ کیا آپ اپنے کو ہلاک کر ڈالیں گے اگر وہ قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے داعی کے دل میں جب ایسی تڑپ مدعو کے بارے میں پیدا ہوتی ہے تو دعوت کا کام آگے بڑھتا ہے، ہندوستان میں دعوت دین کے بڑے مواقع ہیں، تکثیری سماج کے ظلم وستم سے پریشان دلتوں، ہریجنوں اور کمزور طبقات بلکہ یہاں کی اکثریت کو اس پیغام ربانی کی ضرورت ہے، جو انسانی مسائل کے حل کی اس دنیا میں اول وآخر شکل ہے، مدعو اقوام وملل سے ہماری دوری دعوت کے اس امکانات کو ختم کر رہی ہے، دوریاں بڑھ رہی ہیں، مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ مٹھی بھر لوگ ہندوستان میں ایسے ہیں بقیہ رشتوں کی پہچان ...... جو نفرت کی فصل کاٹنے پر یقین رکھتے ہیں، وہ یہاں کی تہذیب وثقافت اور گنگا جمنی تہذیب کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور دن بدن ان کے اثرات بڑھ رہے ہیں، ان کے بڑھتے اثرات کو روکنا وقت کی ضرورت ہے، اس کی اہمیت یہاں کے دستور وقوانین کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے بھی ہے، ہندوستان کی بڑی آبادی اس کام میں ہمارا ساتھ دے سکتی ہے، شرط ہے کہ ہم ان رشتوں کو جانیں پہچانیں اور عملی طور پر اس کو برتیں، بھائی چارے اور امت دعوت کے رشتہ کو دوسرے سارے رشتوں کی طرح پائیدار بنائیں، ہمیں اس کے لیے اپنی جدوجہد تیز کرنی چاہیے۔

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ ✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

مولانا عبدالرشید قاسمی

جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کے مہتمم مدرسہ فیضان القرآن بلرام پور کے سابق استاذ، بہترین مربی، محدث کبیر حضرت مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری کے دست راست اور معتمد خاص مولانا عبدالرشید قاسمی کا ۱۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۸/دسمبر ۲۰۲۱ء کو اعظم گڑھ کے ایک اسپتال میں انتقال ہوگیا، وہ عارضہ قلب میں مبتلا تھے اور اسی بیماریٔ دل نے اللہ رب العزت کے دربار میں پہونچادیا، جس کی رضا وخوشنودی کے لیے پوری زندگی وہ کام کرتے رہے، جنازہ ان کے آبائی گاؤں پریتم پور امبیڈکر نگر یوپی لے جایا گیا، ان کے بڑے صاحبزادہ مولانا عبدالرحیم قاسمی صاحب نے اگلے دن جنازہ کی نماز پڑھائی اور مقامی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، پسماندگان میں اہلیہ، پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، سب علم اور دین سے جڑے ہوئے ہیں۔

مولانا عبدالرشید صاحب بن بخش اللہ مرحوم کی ولادت پاسپورٹ میں درج تاریخ ولادت کے مطابق یکم جنوری ۱۹۴۸ بمطابق ۱۳۶۷ھ کو رسول پور منڈیرا موجودہ ضلع امبیڈکر نگر میں ہوئی، پہلے یہ گاؤں فیض آباد ضلع میں ہوا کرتا تھا، درجہ پنجم تک کی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کرنے کے بعد اسکول میں داخل ہوئے، اور درجہ آٹھ تک کی تعلیم یہاں مکمل کی، ہندی اور حساب میں خصوصی دسترس حاصل کیا، دینی تعلیم کا آغاز مدرسہ قاسمیہ گیا سے کیا، پھر اپنے علاقہ لوٹ آئے اور یہاں کی مشہور بافیض درسگاہ مدرسہ کرامتیہ جلال پور میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے مولانا ضمیر احمد اعظمی اور مولانا اسداللہ صاحبان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، وہاں سے مدرسہ بدرالاسلام شاہ گنج آگئے، مولانا محمد عثمان اور مولانا احمد صاحب جونپوری رحمہما اللہ سے موقوف علیہ تک تعلیم پائی، دورۂ حدیث میں دارالعلوم دیوبند چلے آئے، حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ سے بخاری شریف سبقاً سبقاً پڑھ کر ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں سند فراغ حاصل کیا، یہاں آپ کے رفیق درس مولانا عبدالعلیم فاروقی اور مولانا عبدالخالق مدراسی دامت برکاتہم رہے، حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ کے خادم خاص ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل رہا، تدریسی زندگی کا آغاز یوں تو بنگلور سے کیا؛ لیکن والد صاحب کی علالت کی وجہ سے جلد ہی گھر لوٹ آئے، والد کے انتقال کے بعد گھر پر قیام پذیر ہونا ضروری ہوگیا تھا، چنانچہ آپ نے مدرسہ فیضان القرآن بلرام پور میں تدریسی خدمت قبول کرلی اور پوری دل جمعی اور مستعدی کے ساتھ چودہ سال طالبان علوم نبوت کو فیض یاب کرتے رہے، اس درمیان انتظامی امور بھی آپ سے متعلق رہے۔

۱۹۹۰ء میں حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری دامت برکاتہم کی تجویز پر بمشورہ قاری اختر عالم بحیثیت مہتمم جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں کار اہتمام سنبھالا، اور تیس سال جامعہ اسلامیہ کی بے مثال خدمات انجام دیں، جامعہ کی تعلیمی وتعمیراتی ترقی میں وہ بانی جامعہ کے ساتھ دوش بدوش کھڑے رہے، ان کی عملی جدوجہد سے جامعہ جلد ہی علمی افق پر نیر تاباں بن گیا اور اس نے علمی دنیا میں اپنا وقار، اعتبار اور اعتماد حاصل کیا، بانی جامعہ بھی ان پر غیر معمولی اعتماد کرتے تھے اور ہر کام میں ان کے تعاون کا ذکر کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے، ان کے حسن انتظام کی وجہ سے بانی محترم کا قیام دیار غیر میں اطمینان کے ساتھ رہا اور اللہ رب العزت نے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری صاحب دامت برکاتہم سے حدیث کی گراں قدر خدمت لی۔

مولانا عبدالرشید صاحب قاسمیؒ بڑی خوبیوں کے انسان تھے، اساتذہ اور کارکنان سے کام لینے اور ان کو ساتھ لیکر چلنے کی ان میں غیر معمولی صلاحیت تھی، تکبیر اولیٰ کے ساتھ پہلی صف میں ٹھیک امام کے پیچھے کھڑے ہوکر باجماعت نماز پڑھنا ان کا طرۂ امتیاز تھا، طلبہ پر بھی اس سلسلہ میں ان کی نظر بڑی سخت رہتی تھی اور جن کی رکعات چھوٹ جاتی ان کی تنبیہ کیا کرتے تھے، تبلیغی جماعت کے کاموں کے بڑے قدرداں تھے، مظفر پور میں جماعت آتی تو اس کے اکرام واحترام اور تعاون میں پیش پیش رہتے، مولانا کی ایک بڑی خوبی سادہ اور تصنع سے پاک زندگی تھی، بناؤ، بچاؤ کا مزاج نہیں تھا، سب سے ملتے، علم وفن اور عہدے کا کبر ان کو چھو کر نہیں گیا تھا، ان کے اندر محبت کا جذبہ تھا اور ہر سطح کے لوگوں سے افراط وتفریط سے پاک محبت کرتے تھے، جس کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ تھے اور اپنی باتیں ان کے سامنے رکھنے سے گھبراتے نہیں تھے، اکابر سے ان کی محبت وعقیدت دیدنی تھا، خصوصاً بانی جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم سے بے پناہ محبت کرتے تھے، کسی بھی دعائیہ مجلس میں ان کو فراموش نہیں کرتے اور نام کی صراحت کے ساتھ حضرت مولانا کی صحت وعافیت، درازی عمر اور خدمات کے تسلسل کی دعا فرماتے، مولانا مرحوم مہمان نواز واقع ہوئے تھے، آنے والوں سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے، موقع کی مناسبت سے چائے، ناشتہ اور کھانے کا اہتمام کرواتے آنے والے کی ضرورت کی تکمیل کی کوشش کرتے۔ (بقیہ صفحہ ۱۴/پر)

کتابوں کی دنیا ✍: ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی اور عصری تعلیم

امیر شریعت سابع مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ کی خدمات پر مضامین کے کئی مجموعے آچکے ہیں، خود نقیب کے امیر شریعت سابع نمبر کی اہل علم اور حضرت کے معتقدین ومتوسلین کے یہاں جو پذیرائی ہوئی وہ تاریخی بھی ہے اور مثالی بھی، ابھی حضرتؒ پر مضامین کا نیا مجموعہ سامنے آیا ہے، جسے حافظ محمد ناصر احسان رحمانی سکریٹری منت فاؤنڈیشن سوپول نے مرتب کیا ہے اور اسی فاؤنڈیشن کے ذریعہ اس کی اشاعت ہوئی، شائع کردہ اور ناشر میں کوئی فرق نہیں ہوتا، البتہ ناشر میں محترم جناب محمد احسان الحق رحمانی کا نام اندر کے ٹائٹل پر درج ہے، احسان الحق صاحب خانوادہ رحمانی کے فدائین میں سے ہیں، حضرت امیر شریعت رابعؒ کے نام پر فاؤنڈیشن کا قیام اور حضرت مولانا محمد ولی رحمانیؒ پر سمینار کا انعقاد رسمی تعلق کا مظہر نہیں؛ بلکہ اس عقیدت ومحبت کا غماز ہے جو ان کی رگوں میں خون کے ساتھ گردش کررہی ہے، اسی عقیدت ومحبت کے طفیل انہوں نے حضرت امیر شریعت سابع پر عصری تعلیم کے حوالہ سے سمینار کا انعقاد کیا اور اس کام میں وہ بہتوں سے سبقت لے گئے، کتاب کے مرتب حافظ محمد ناصر احسان رحمانی انہیں کے صاحبزادہ ہیں، تین سو اڑسٹھ (۳۶۸) صفحات اور ۴۵/ مضامین ومقالات کے ذریعہ اس کتاب میں حضرت کی حیات وخدمات خصوصاً عصری تعلیم کے فروغ میں آپ کی جدوجہد کا احاطہ کیا گیا ہے، اتنی ضخیم کتاب کی قیمت دو سو روپے آج کے اعتبار سے کم ہے؛ ممکن ہے اردو قاری کی قوت خرید کو سامنے رکھ کر زیادہ لوگوں تک پہونچانے کی غرض سے یہ قیمت رکھی گئی ہو، کتاب کے شروع میں سات سے ستائیس صفحات تک عرض ناشر محمد احسان الحق سرپرست منت فاؤنڈیشن، حرف چند حضرت امیر شریعت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی مدظلہ العالی، پیش گفتار حضرت مولانا محمد شمشاد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت، کچھ باتیں حضرت مولانا عبدالسبحان رحمانی استاذ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر، مقدمہ مولانا عمرین محفوظ رحمانی سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور پیغام محمد منت اللہ رحمانی چیرمین اقلیتی بہار ریاستی کانگریس کمیٹی کا ہے، اس کے بعد مضامین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، جس میں تیرہ مضامین ومقالات مرکزی دفتر امارت شرعیہ کے ذمہ داران وکارکنان کے ہیں، دو مضامین حضرت کے سفر وحضر میں ساتھ رہنے والے حافظ محمد احتشام عالم رحمانی اور حافظ محمد امتیاز رحمانی کے ہیں، جو حضرتؒ کے فکر وعمل کے چند گوشے کا احاطہ کرتا ہے، یہ چند گوشے دیدہ ہیں شنیدہ نہیں، اس لیے ان کی اہمیت ہے۔ اس مجموعہ کے بیش تر مضامین عمدہ اور وقیع ہیں، قلم کاروں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں حقیقت کا اظہار ہے عقیدت ومحبت میں ڈوبی یہ تحریریں قاری کے قلوب کو متاثر کرتی ہیں، چوں کہ سمینار عصری تعلیم میں حضرت کی خدمات کے حوالہ سے تھا اس لیے بیش تر مقالہ نگاروں نے رحمانی تھرٹی، رحمانی فاؤنڈیشن اور بعضوں نے امارت پبلک اسکول کا بھی ذکر کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رحمانی تھرٹی اور امارت پبلک اسکول حضرت کی دو آنکھیں تھیں، امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے امارت پبلک اسکول کو فروغ دینے کا منصوبہ حضرتؒ نے بنایا، نام پر گفتگو شروع ہوئی تو اس حقیر نے ہی "امارت پبلک اسکول" رکھنے کی صلاح دی اور حضرت نے اسے قبول کرلیا، اسی طرح امارت پبلک اسکول کا جو مونوگرام بنا وہ حضرت کو بہت پسند رہا اور اب عبارت کی تبدیلی کے ساتھ وہ امارت شرعیہ کا مونوگرام بھی بن گیا ہے۔

رحمانی تھرٹی کے ذریعہ حضرت نے ان نوجوانوں کو مختلف علوم وفنون میں آگے بڑھانے کا زریں کارنامہ انجام دیا جو اپنی مالی دشواری اور احساس کمتری کی وجہ سے صلاحیت کے باوجود آگے نہیں بڑھ پاتے تھے، اب اس کی مختلف شاخیں ملک میں کام کررہی ہیں اور ہمارے نوجوان تیزی سے مختلف میدانوں میں آگے بڑھ رہے ہیں، اس کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت مختلف حضرات نے ان خدمات کا احاطہ کیا ہے اور اچھا لکھا ہے۔ بعض مضامین تأثراتی ہیں، جن میں احوال وافکار سے بحث کی گئی ہے، یہ مضامین بھی حضرت کی زندگی کو سمجھنے کے لیے مفید ہیں، بعض میں ان کی تحریر وتقریر کے دروبست اور اسلوب کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، سارے مقالہ نگار شکریہ کے مستحق ہیں؛ بلکہ کہنا چاہیے کہ شکریہ کے الفاظ ناکافی ہیں، اصل اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لیجیے! اس کتاب میں عرض ناشر کے ضمن میں کوئی درجن بھر لوگوں کا شکریہ جناب احسان الحق صاحب نے ادا کیا ہے، کاش ان میں سے کوئی بھی اگر کتاب کے مرتب کو مضامین کی درجہ بندی اور اسے باب در باب کرنے کی صلاح دیتا تو یہ کتاب دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جاتی، میں جانتا ہوں کہ مضامین کی درجہ بندی ذرا مشکل کام ہے، خصوصاً اس شکل میں جب کئی لوگ اپنے ہلکے مضمون کو وقیع مضمون سے پہلے لانے پر بضد ہوں اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی زبان میں "بدخوش کرنی" اگر ایسا کرنا مجبوری بن جائے تو بڑے مسائل کھڑے ہوتے ہیں، اس صورت میں مضمون نگار کو تو کوئی کچھ نہیں کہتا: البتہ جامع اور مرتب کی صلاحیت پر حرف زنی کا زیادہ موقع ہوتا ہے، اگر اس کتاب میں مضامین کی درجہ بندی ہوتی تو احوال وآثار اور خدمات کے الگ الگ باب قائم ہو جاتے اور قاری کو مطالعہ میں خلط مبحث کا شکوہ نہیں ہوتا، یہ شکوہ مرتب سے نہیں؛ کیوں کہ یہ ان کا پہلا تجربہ تھا، مشیروں سے ہے کہ ان کی توجہ اس طرف کیوں نہیں گئی؟ دوسری شکایت مجھے کمپوزر سے ہے کہ ایک مضمون میں حضرت کی زندگی کا خاکہ میں لفظ بلفظ میرے مقالہ سے لے لیا گیا اور نہ واوین لگایا گیا اور نہ ہی حوالے دیے گئے، یقیناً مضمون نگار نے اس کی پوری رعایت کی ہوگی؛ لیکن کمپوزر کی اس چوک کی وجہ سے بدگمانی کے بڑے مواقع پیدا ہوگئے، میرا مضمون جس کا یہ اقتباس ہے پہلی بار حضرت کے امیر شریعت منتخب ہونے پر چھپا تھا پھر انتقال کے بعد نصف درجن اخبارات ورسائل نے اسے شائع کیا، نقیب کے امیر شریعت سابع نمبر میں بھی میری یہ تحریر دیکھی جاسکتی ہے۔

کتاب خوبصورت چھپی ہے، سرورق دیدہ زیب ہے، اس پر بھی ایک بڑی کمی راہ پا گئی ہے، وہ یہ کہ سرورق کے دونوں صفحات کے درمیانی حصہ میں جو نام کتاب کا لکھا گیا ہے وہ صرف عصری تعلیم ہے، اس میں کتاب کا نام پورا آنے سے رہ گیا، کتاب کھڑی رکھی جاتی ہے، اس لیے پہلی نظر میں یہ کتاب عصری تعلیم پر سمجھ میں آئے گی جو واقعہ کے خلاف ہے۔

یہ چند کمی کوتاہی جو میری نظر میں آئی اس کا ذکر کردیا، انسانی کام میں کمیاں رہ جاتی ہیں، مکمل کام تو صرف خالق کائنات کا ہے، مکمل نبی کے علاوہ نہ تو کوئی انسان ہے اور نہ ہی اس کا کام۔

ملنے کے پتے پانچ درج ہیں، آپ اسے منت فاؤنڈیشن، غنیمت حسین پتھ وارڈ نمبر ۲۱ سوپول، دارالاشاعت خانقاہ رحمانی مونگیر اور مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

حکایات اہل دل

مولانا رضوان احمد ندوی

ایک صحابی کا واقعہ

ایک زمانہ تھا جب مسلمان قرآن کریم کے الفاظ سیکھنے کے لئے محنتیں اور مشقتیں اور قربانیاں دیا کرتے تھے، صحیح بخاری میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک صحابی عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میں اس وقت بچہ تھا اور میرا گاؤں مدینہ منورہ سے بہت فاصلے پر تھا، میرے قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی دولت قرآن کریم ہے، مجھے یہ خواہش ہوئی کہ میں قرآن کریم کے الفاظ یاد کروں، اس کا علم سیکھوں، لیکن پوری بستی میں قرآن کریم پڑھانے والا کوئی نہیں تھا اور قرآن کریم سیکھنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، چنانچہ میں یہ کرتا کہ میری بستی کے باہر قافلوں کے گزرنے کا جو راستہ تھا، روزانہ صبح کے وقت وہاں جا کر کھڑا ہو جاتا، جب کوئی قافلہ گزرتا تو میں پوچھتا کہ کیا قافلہ مدینہ منور سے آیا ہے؟ جب قافلے والے بتاتے کہ ہم مدینہ منورہ سے آئے ہیں تو پھر ان سے درخواست کرتا کہ آپ میں سے کسی کو قرآن کریم کا کچھ حصہ یاد ہو تو مجھے سکھادیں، جن کو یاد ہوتا ان سے وہ حصہ یاد کر لیتا، یہ میرا روزانہ کا معمول تھا، اس طرح چند مہینوں کے اندر میں اپنی بستی میں سب سے زیادہ قرآن کریم کا یاد کرنے والا ہو گیا اور سب سے زیادہ سورتیں مجھے یاد تھیں، چنانچہ جب میری بستی میں مسجد کی تعمیر ہوئی اور امامت کے لئے کسی کو آگے بڑھانے کا وقت آیا تو لوگوں نے مجھے آگے کر دیا، اس لئے کہ سب سے زیادہ قرآن کریم مجھے یاد تھا۔

بہر حال، اس طرح لوگوں نے محنت اور مشقت کر کے قرآن کریم حاصل کیا اور انہی کی محنت اور جدید کا نتیجہ ہے کہ آج ''الحمد للہ'' یہ قرآن کریم بفضلہ تعالیٰ صحیح شکل وصورت میں موجود ہے اور نہ صرف الفاظ بلکہ معانی بھی محفوظ ہیں، آج الحمد للہ پورے اطمینان کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی وہ صحیح تفسیر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک اور صحابہ کرام سے لے کر ہم تک پہنچتی ہے وہ اپنی صحیح شکل وصورت میں محفوظ ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس کے الفاظ کی حفاظت کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح اس کے معانی کا بھی انتظام فرمایا ہے۔

امام اعظم کی حکایت

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک لڑکا تیزی کے ساتھ چلا جا رہا تھا امام صاحب نے فرمایا کہ صاحبزادہ سنبھل کر چلو گر پڑو گے وہ لڑکا بولا کہ آپ سنبھل کر چلیں اس لئے کہ آپ کے سنبھلنے سے عالم سنبھل جاوے گا اور آپ کے بگڑنے سے عالم بگڑ جاوے گا اور میرے گرنے سے تو صرف مجھ ہی پر اثر ہوگا، امام صاحب بچے سے یہ بات سن کر بہت متاثر ہوئے ان حضرات میں یہ خوبی تھی "لاتنظر الی من قال و انظر الی ماقال" پر پورا عمل تھا یعنی وہ حضرات قائل کو نہیں دیکھتے تھے بات کو دیکھتے تھے کہ کس درجہ کی ہے، یہاں یہ کیفیت ہے کہ چھوٹوں کی بات پر تو کیا ہی عمل کرتے چھوٹوں کی باتوں کو کان لگا کر سنتے بھی نہیں؛ بلکہ بڑوں کی باتوں کو بھی نہیں سنتے اور بڑوں کے ارشادات پر عمل نہیں کرتے۔

امام بخاری کے شیخ کا واقعہ

یحیٰ بن اکثم جو امام بخاریؒ کے شیخ ہیں، جب انتقال ہوا تو ایک شخص نے خواب میں دیکھا، پوچھا کیا گذری فرمایا مواخذہ شروع ہو گیا تھا اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بڑے بڈھے تو ایسا ایسا کرتا تھا میں سہم گیا اور خاموش ہو گیا، سوال سن کر خاموش کیوں ہو گئے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک بات سوچ رہا ہوں، پوچھا گیا کیا سوچ رہے ہو؟ عرض کیا، میں نے تو بسند حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تھا "ان اللہ یستحي من ذی الشیبۃ المسلم" کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے شرماتے ہیں، میں تو حیران ہوں کہ میں تو بوڑھا ہوں مگر یہاں دوسرا معاملہ ہو رہا ہے، اس پر ارشاد ہوا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا اور راوی بھی سچے ہیں آج ہم تیرے بڑھاپے کی بدولت بخشتے ہیں اور تیرے بڑھاپے کا لحاظ کرتے ہیں۔

مثنوی کی ایک حکایت

مولانا رومؒ نے مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے، کہ ایک شخص نے ایک گودنے والے سے کہا، میری پیٹھ پر شیر کی تصویر بنادو، تاکہ کمر میں قوت رہے، وہ تصویر بنانے بیٹھا اور سوئی چبھوئی، اس نے ایک آہ بھری اور پوچھا کہ کیا بناتے ہو؟ اس نے کہا دُم بناتا ہوں، آپ بولے کے دُم نہ بناؤ یہ کوئی مکھیاں تھوڑا اڑائے گا، اس نے دُم چھوڑ کر دوسری طرف سوئی چبھوئی، پھر آہ بھری اور پوچھا اب کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ سر بناتا ہوں، آپ نے کہا، یہ کوئی دیکھے گا تھوڑا ہی، ایسا ہی رہنے دو، پھر اس نے پیٹ بنانا چاہا تو آپ کہتے ہیں کہ کوئی کھائے گا تھوڑا ہی، غرض جس عضو کو بناتا تھا آپ یہی کہتے تھے کہ اس کو کیوں بناتے ہو؟ اس پر بنانے والے نے سوئی پھینک دی اور کہا: (ترجمہ) شیر بغیر کان، سر اور پیٹ کا کس نے دیکھا ہے، ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا، میں کیا بناؤں گا؟

آگے مولانا فرماتے ہیں: (ترجمہ) اگر تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں کہ سوئی کو برداشت کر سکو تو شیر کا نام بھی مت لو۔

توکل کی تعلیم

ایک بزرگ نے اپنے بچہ کو شروع ہی سے توکل کی عملی تعلیم اس طرح دی تھی کہ اس کی ماں سے کہہ دیا کہ اس کو روٹی کپڑا تم خود مت دیا کرو، جب یہ کھانا مانگے، اس سے کہہ دو کہ بھائی خدا سے مانگو، ہم بھی اسی سے مانگتے ہیں اور ایک الماری مقرر کر دی تھی جس میں کھانا پہلے سے رکھ دیا جاتا تھا اور لڑکے سے کہہ دیا کہ وہاں جا کر خدا سے دعا کرو پھر الماری کھولو جو کچھ تیری قسمت میں ہوگا مل جائے گا، بچہ وہاں جاتا اور دعا کرتا اور روزانہ وہاں سے کھانا لے لیتا۔

ایک دن اس کی ماں کھانا رکھنا بھول گئی، بچہ اپنے معمول کے موافق الماری کے قریب گیا اور خدا سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے کھانا دے دے، پھر الماری کھولا تو وہاں موجود تھا، اس کی ماں نے یہ واقعہ ان بزرگ صاحب سے بیان کیا انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور بیوی سے کہا کہ بس اب تم وہاں کھانا مت رکھا کرو، اب غیب سے امداد شروع ہو گئی اور بچہ کھانے پینے کی فکر سے چھوٹ گیا۔

دنیا میں بڑی فکر اسی کی ہوتی ہے، اگر اسی طرح ہم بھی طلبہ کی روحانی تربیت کریں اور از خود ان کی خدمت کرتے رہا کریں تو ان میں استغناء کی شان پیدا ہو جائے گی۔

بیٹے گورنر بن گئے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے گیارہ بیٹے تھے، آپ جب وفات پانے لگے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا، عمر بن عبدالعزیز! آپ نے اپنے بچوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا، آپ نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا، آپ سے پہلے جو لوگ حکمراں تھے انہوں نے تو اپنی اولاد کے لئے اتنی جائدادیں بنالیں، اتنے لاکھ درہم و دینار چھوڑے اور آپ نے اپنی اولاد کے لئے کچھ بھی نہیں کیا، یہ سن کر آپ کو اس وقت غصہ آیا اور چہرہ پر سرخی ظاہر ہوئی، آپ نے فرمایا: مجھے ذرا اٹھا کر بٹھادو؛ چنانچہ آپ کو ٹیک لگا کر بٹھا دیا گیا، آپ نے فرمایا؛ اگر میں نے اپنی اولاد کو نیکی سکھائی ہے تو میرے پروردگار کا وعدہ ہے:"وھو یتولی الصالحین" کہ نیک لوگوں کا ولی خود پروردگار رہتا ہے، میں اپنے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں چھوڑ کر جا رہا ہوں اور اگر یہ نیک نہیں ہیں تو مجھے پرواہ نہیں کہ ان کے ساتھ دنیا میں کیا ہوتا ہے، آپ تو وفات پا گئے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا اسی طرح کی کوئی اور بزرگ شخصیت تھی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پہلے والے حکمراں جنہوں نے اپنی اولاد کے لئے لاکھوں درہم و دینار چھوڑے، ان کی اولاد کو دیکھا کہ وہ جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگ رہی تھی اور میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹوں کو دیکھا کہ ان کے گیارہ بیٹے مختلف علاقوں کے گورنر بنے ہوئے تھے؛ کیونکہ لوگوں کو ان سے بہتر بندہ ملتا کوئی نہیں تھا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال: پڑھتے کیوں ہو؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے زمانۂ طالب علمی میں ہی خواجہ بوعلی فارمدیؒ سے تربیت پائی، ان کی تربیت پر روشنی ڈالنے کیلئے ان کے زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ ہے کہ جس مدرسہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے تھے وہ مدرسہ وقت کے بادشاہ نظام الملک طوسی نے بنوایا تھا، مدرسہ کے حالات کے بارے میں بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ جناب! آپ نے جو مدرسہ بنوایا تھا وہاں پر تو طلباء سب کے سب دنیادار ہیں، دین سیکھنے والا کوئی بھی نہیں، بادشاہ نے کہا اچھا میں اتنا پیسہ خرچ کر رہا ہوں اور اگر طلباء وہاں کتابیں پڑھ کر بھی دنیادار بنیں گے تو کیا فائدہ، اس مدرسہ کو تو بند ہی کر دیا جائے، مگر دل میں خیال آیا کہ میں وہاں جا کر احوال تو دیکھوں، جب بادشاہ اپنا بھیس بدل کر وہاں پہنچا تو اس نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ بھائی! آپ یہاں کیسے آئے؟ کہنے لگا، میں علم پڑھ رہا ہوں، میرے والد فلاں جگہ مفتی ہیں، میں بھی مفتی بنوں گا، لوگوں میں عزت ہوا کرے گی، دوسرے سے پوچھا تو اس نے کہا میرے والد فلاں جگہ قاضی ہیں، میں بڑا ہو کر ان کا عہدہ سنبھالوں گا، تیسرے سے پوچھا تو اس نے کہا، وقت کا بادشاہ علماء کی بڑی قدر کرتا ہے، میں عالم بنوں گا اور بادشاہ کا مصاحب بنوں گا، یہ سب باتیں سن کر بادشاہ نے سوچا کہ واقعی یہ تو سب کے سب دنیادار ہیں، مجھے اتنے پیسے خرچ کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ ارادہ لے کر جب باہر نکلنے لگا تو دروازہ کے قریب اس نے دیکھا کہ ایک طالب علم چراغ جلائے پڑھ رہا ہے، اس نے سوچا کہ چلو اس سے بھی بات کرتا چلوں، چنانچہ بادشاہ قریب ہوا اور کہا **السلام علیکم**، طالب علم نے کہا **وعلیکم السلام**، اور پھر پڑھنا شروع کر دیا، بادشاہ نے کہا کہ کیا بات ہے کہ آپ مجھ سے کوئی بات نہیں کرتے، طالب علم نے کہا، جی میں آپ سے یہاں باتیں کرنے تو نہیں آیا، بادشاہ نے پوچھا بھئی! آپ کس لئے آئے ہیں؟ طالب علم نے جواب دیا، میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ میں اپنے پروردگار کو راضی کروں، مجھے نہیں پتہ کہ میں اسے کیسے راضی کر سکتا ہوں؟ یہ باتیں ان کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، میں وہ کتابیں پڑھوں گا، ان باتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کروں گا اور اپنے پروردگار کو راضی کروں گا، یہ بچہ جب بڑا ہوا تو اپنے وقت کا امام غزالی بنا، یہ شیخ کی صحبت تھی جس نے بچپن سے ہی ان کے دل میں یہ جذبہ بھر دیا کہ دین پڑھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے (خطبات ذوالفقار: ص ۲۰۱/ج:۳)

ہر حال میں اپنے سے ادنیٰ کو دیکھئے!

ایک صاحب نے ظہر کی نماز پڑھی، تنگدستی اتنی تھی کہ جوتا ٹوٹ گیا، گرمی کا موسم تھا، گرم زمین پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے یہ مسجد سے گھر کی طرف لوٹنے لگے تو دل میں خیال آیا، پروردگار! میں تو آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہوں، مجھے تو آپ نے جوتا بھی عطا نہ کیا، ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے سے ایک لنگڑے آدمی کو آتے دیکھا، وہ بیساکھیوں کے بل چل کے آرہا تھا، فوراً دل پر چوٹ لگی کہ او ہو! کہ میں تو جوتے کے نہ ہونے کا شکوہ کرتا رہا، یہ بھی تو انسان ہے جسے پروردگار نے ٹانگیں بھی عطا نہ کیں، یہ لکڑیوں کے سہارے چلتا ہوا آرہا ہے، تو جب اپنے سے نیچے والے کو دیکھا تو دل میں شکر کی کیفیت پیدا ہوئی۔ (خطبات ذوالفقار: ص ۱۹/ج:۵)

Scanned with CamScanner

تعلیم کا مقصد شخصیت کی تعمیر ہے

مولانا نور الحق رحمانی

تعلیم کا مقصد طلبہ کولکھنا پڑھنا سکھا دینا، یا صرف چند علوم وفنون پڑھا دینا نہیں ہے؛ بلکہ اس کے ساتھ ان کی پوری شخصیت کی تعمیر ضروری ہے۔ لہذا پڑھانے کے ساتھ ان کی عادات واطوار پر نظر رکھنا، ان کی سیرت وکردار کو نکھارنا، ان کے جذبات کو صحیح رخ دینا، مثبت اور تعمیری فکر کی طرف انہیں مائل کرنا، انہیں اللہ کا صالح بندہ اور ملک کا اچھا شہری، سماج اور انسانیت کا مخلص اور بے لوث خادم بنانا اور اس قابل بنانا کہ انفرادی واجتماعی دونوں لحاظ سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، انہیں بہتر طور پر انجام دے سکیں۔ اس کے ساتھ مذہبی اور اصلاحی تعلیم سے انہیں روشناس کرانا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ انسان بہت سی چیزوں کا مجموعہ ہے، جسم، روح، دماغ، جذبہ سماج اور مذہب، لہذا تعلیم میں ان سب کی رعایت ضروری ہے۔ جسم کی حفاظت وصیانت اور اس کی نشو ونما کے اصول، حفظان صحت کے اصول سکھانا ضروری ہے تاکہ وہ امراض کا نشانہ نہ بنے اور صحت وتوانائی کے ساتھ زندگی کے فرائض کو بحسن خوبی انجام دے سکے۔ اس کے لئے جسمانی ورزش اور مفید کھیل کود کا انتظام کرنا ضروری ہے، روح کی پاکیزگی کے لئے اخلاق وروحانیت کی تعلیم دینا بھی ضروری ہے، تندرستی ہزار نعمت ہے، صحت کو علالت سے پہلے غنیمت جاننا چاہئے، لڑکوں کو اگر تندرستی کے اصول وقوانین نہیں سکھایا تو یہ زیادتی ہے، دوران تعلیم تندرستی کے اصول سکھانا، کمزور جسم کے ساتھ طالب علم مجاہد کیسے بن سکتا ہے، جھاڑو دیتے وقت پہلے پانی چھڑکیں پھر ناک پر پٹی باندھ لیں، بچوں کو ٹی بی ہوگی، تو خدا کے یہاں پوچھ ہوگی۔ اس لئے ان اصول کی رعایت بھی ضروری ہے، حدیث میں ہے کہ طاقتور مومن کمزور مومن کے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔

دماغ: اللہ رب العزت کی ایک عظیم نعمت ہے، دل ودماغ سے کام لے کر انسان اپنے تمام مسائل کو حل کرسکتا ہے، اس لئے استاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کے سوچنے سمجھنے اور ان کے غور وفکر کرنے کی صلاحیت کو فروغ دے، فکری قوتوں کو اجاگر کرے، تاکہ وہ اپنے ذہن ودماغ سے اپنے اور انسانیت کے مسائل ومشکلات کا حل دریافت کرسکیں۔ ہر انسان کے اندر کم وبیش اپنے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ انسان اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اپنے مسائل اور ان کے حل کے درمیان ربط قائم نہیں کرپاتا، مربی کی حیثیت سے استاذ کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کے مسائل اور اس کے حل کے درمیان رابطہ قائم کردے اور اس کے ہاتھ میں ایسی شاہ کلید تھما دے جن کے ذریعہ وہ ہر بند تالے کو کھول سکے۔ اور ہر مشکل کا حل دریافت کرلے، ورنہ ظاہر ہے کہ والدین اور اساتذہ زندگی بھر ان کے ساتھ نہیں رہ سکتے، اس لئے وہ اس کے ذہنی وفکری صلاحیتوں کو اتنا نکھار دے، اور ان کی عقل وفہم کے دروازوں کو اتنا کھول دے کہ وہ غور وفکر کے ذریعہ اپنی جملہ مشکلات کو حل کرسکیں، قرآن کریم نے بار بار انسانوں کو غور وفکر اور تدبر کی دعوت دی ہے۔ اور عقل کو استعمال کرنے اور کام میں لانے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کے ذہن ودماغ کی تربیت فرماتے اور انہیں فکر وتدبر پر آمادہ کرتے تھے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ درخت مسلم کی طرح (مفید) ہے، پس تم مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ جنگل کے درختوں کے بارے میں سوچنے گئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات آئی کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے جواب دینے میں شرم محسوس ہوئی پھر صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول ہمیں بتائیے کہ وہ کون سا درخت ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف صحابہ کو فکر وتدبر کی دعوت دی، تو دوسری طرف ان کے سامنے اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ مرد مومن کو انسانیت کے لئے مفید ہونا چاہئے جس طرح کہ کھجور کا درخت مفید اور اس کا ہر جز کارآمد ہے، اور اس پر موسم خزاں کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اسی طرح ہر مومن کو زمان ومکان کے فرق واختلاف سے بلند ہوکر ہمیشہ انسانیت کے لئے مفید ہونا چاہئے۔ ایک صحابی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے ایک اونٹ کا سوال کیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ ٹھہرو میں تمہیں اونٹنی کا بچہ دیتا ہوں، وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اونٹنی کا بچہ تو سواری کے مصرف میں نہیں آئے گا، مجھے تو سواری کے لئے جانور چاہئے، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی سواری کا اونٹ ہو وہ بالآخر اونٹنی ہی کا بچہ، تو ہوگا، اس حدیث میں ایک طرف ظرافت ومزاح کا پہلو بھی ہے اور غور وفکر کی دعوت بھی ہے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں احادیث کے ذخیرہ میں موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دماغی اور فکری صلاحیت کو ابھار دینا استاذ کی ذمہ داری ہے۔ ایک مثال سے سمجھا جائے، جس جگہ کا تجربہ بندر پر کیا گیا۔ ایک بڑے ہال میں جہاں بندر تھا، کیلے کی ایک کھانی باندھ کر بہت اونچائی پر لٹکا دی گئی، اور، وہاں ٹیبل، کرسی اور لاٹھی بھی رکھ دی گئی، اس طور پر کہ اگر کرسی کو ٹیبل پر رکھ کر اور کرسی پر چڑھ کر لاٹھی سے کیلے پر مارے، تو کیلا ٹوٹ کر نیچے گر جائے۔ چنانچہ بندر نے پہلے اچھل کر کیلا توڑنے کی کوشش کی جب اس میں کامیابی نہ ملی تو اس نے ماحول پر نظر ڈالا اور مسئلے کا حل دریافت کرلیا۔

جذبہ:

انسان کے اندر اچھے برے دونوں قسم کے جذبات ودیعت کئے گئے ہیں، استاذ کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کے جذبات کو حکمت اور دانائی کے ساتھ صحیح اور تعمیری رخ دے اور برے اور منفی جذبات اور تعصباتی رجحانات کو ختم کرکے پاکیزہ جذبات کی طرف مائل کرے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہمیں اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے صحابہ کے جذبات کو صحیح رخ دیا اور ان کی اصلاح فرمائی ایک صحابی نے آپ کے سامنے آکر اس طرح دعا کی اے اللہ تو مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم مت فرما (**اللهم ارحمني ومحمد ولا ترحم معنا أحداً**) ظاہر ہے کہ اس دعا سے ایک نظری ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اعرابی اللہ تعالی کی رحمت کو جو سب کے لئے عام ہے صرف اپنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے اس تنگ نظری کو ختم کرنے کے لئے فرمایا **لقد تحجرت واسعاً** ''یعنی تم نے ایک کشادہ چیز کو تنگ کردیا یعنی اللہ کی رحمت تو بہت وسیع ہے اور وہ تمام مخلوقات کے لئے ہے تم نے اسے اتنا محدود کیوں کردیا؟ اس طرح آپ نے خود غرضی اور تنگ نظری اور تعصب کے بجائے صحابہ کو وسعت نظری، فراخ دلی، عالی ظرفی، بلند حوصلگی اور کشادہ ذہنی کی تعلیم دی۔

سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ اس طرح آتا ہے کہ قبیلہ قریش کا ایک نوجوان دربار نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے، پس قوم اس کی طرف متوجہ ہوئی اور سب نے اس کو ڈانٹا اور چپ چپ کہنا شروع کیا، بعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم میرے قریب آجاؤ چنانچہ وہ آپ کے قریب آگیا آپ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم اس کو پسند کروگے کہ کوئی تمہاری ماں کے ساتھ زنا کرے؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! اللہ آپ پر مجھے قربان کردے، تو آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی تمام لوگ اپنی ماؤں سے زنا کرنے کو پسند نہیں کریں گے، پھر فرمایا کہ کیا تم اپنی بیٹی کے لئے زنا کو پسند کروگے؟ اس نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! اللہ مجھ کو آپ پر قربان کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح لوگ اپنی بیٹیوں کے لئے زنا پسند نہیں کریں گے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اپنی بہن کے لئے زنا کو پسند کرتے ہو، تو اس نہ کہا کہ نہیں یا رسول اللہ اللہ مجھ کو آپ پر قربان کرے، آپ نے فرمایا اسی طرح لوگ اپنی بہنوں کے لئے زنا پسند نہیں کریں گے، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے زنا کو پسند کرتے ہو اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ، اللہ مجھ کو آپ پر قربان کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح لوگ اپنی پھوپھیوں کے لئے زنا پسند نہیں کرتے، پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تم اپنی خالہ کے لئے زنا کو پسند کرتے ہو اس نہ کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! اللہ مجھ کو آپ پر قربان کرے تو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح اور لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لئے زنا پسند نہیں کرتے، راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان پر رکھا اور یہ دعا کی اے اللہ اس کے گناہ کو بخش دے، اس کے دل کو پاک کردے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر (کہ حرام میں مبتلا نہ ہو) راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ نوجوان کسی چیز کی طرف التفات نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح ہر استاذ کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کے جذبات کو صحیح رخ دے اور برے جذبات کو ذہن سے نکال کر انہیں پاکیزہ جذبات کا حامل بنائیں۔ اسی طرح طلبہ سے تعصباتی رجحانات کو ختم کرنا بھی استاذ ومربی کی ذمہ داری ہے، سیرت نبوی میں ہم کو اس کی بہت سے مثالیں ملتی ہیں، غزوہ مریسیع (یا غزوہ بنی مصطلق) کے موقع پر مریسوع کے چشمہ پر ایک مہاجر اور ایک انصاری صحابی میں باہم جھگڑا ہوگیا، اور نوبت قتل وقتال کی آگئی، مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کو، دونوں کی مدد کے لئے کچھ افراد پہنچ گئے، اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے باہم ایک فتنہ کھڑا ہوجائے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو فوراً موقع پر تشریف لے گئے اور سخت ناراضگی کے ساتھ فرمایا: یہ جاہلیت کا نعرہ کیا ہے؟ کہ نسبی قومیت کو بنیاد بنا کر امداد ودفاع کا معاملہ ہونے لگا اور فرمایا ''**دعوها فإنها منتنة**'' (اس امر کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے اور فرمایا کہ ہر مسلمان بھائی کی مدد کرنا چاہئے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم مظلوم کی مدد کرنا، تو ظاہر ہے کہ اس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکے، کیوں کہ اس کی حقیقی مدد یہی ہے۔ مراد تھی کہ ہر معاملہ میں یہ دیکھنا چاہئے کہ مظلوم کون ہے، ظالم کون۔ پھر ہر مسلمان کا خواہ وہ مہاجر ہو یا انصاری اور کسی قبیلہ اور خاندان کا ہو یہ فرض ہوجاتا ہے کہ مظلوم کو ظالم سے چھڑایا جائے اور ظالم کا ہاتھ روکے خواہ وہ اپنا حقیقی بھائی اور باپ ہی کیوں نہ ہو۔ یہی اور دینی قومیت جاہلانہ اور بدبودار نعرہ ہے جس سے گندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی سارا جھگڑا ختم ہوگیا۔، اور جھگڑنے والے ظالم اور مظلوم پھر بھائی بھائی بن گئے۔ (معارف القرآن: ۸/۴۴۹)

سماج:

تعلیم میں سماج اور معاشرے کی رعایت بھی ضروری ہے، چونکہ اساتذہ اور طلبہ دونوں کا سماج سے گہرا تعلق ہوتا ہے، سماج سے کٹ کر کوئی انسان زندگی نہیں گزار سکتا، طالب علم کے زیادہ اوقات سماج کے افراد کے ساتھ گزرتے ہیں۔ سماج میں جو کچھ ہوتا ہے اور معاشرہ جن اچھے برے حالات سے دوچار ہوتا ہے اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے تعلیم کو ہمیشہ سماج سے متعلق رکھنا ضروری ہے۔ آج ہمارے تعلیمی اداروں کی کئی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ سماج سے بے تعلق ہوکر رہ گئے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا دائرہ عمل محض اسکول اور مدرسے کی چہار دیواری ہے۔ جب کہ اسے سماج کے مسائل سے دلچسپی لینا چاہئے، گاؤں میں صفائی وغیرہ کا نظم، سڑک وغیرہ کی مرمت وغیرہ علم ایک روشنی ہے اور تعلیمی ادارے مینارہ نور ہیں، اگر اس کی روشنی سماج کو نہ ملے تو کیا فائدہ، اس لئے تعلیمی اداروں کا فرض ہے کہ وہ طلبہ کو سماجی مسائل سے روشناس کرائیں، اس سے دلچسپی پیدا کریں، اور انہیں سماج کا مخلص اور بے لوث خادم بنائیں، ہماری شریعت کی تعلیم کا بڑا حصہ سماج اور انسانیت کی خدمت سے متعلق ہے، زکوۃ اور انفاق مال جو اسلام کا اہم ستون ہے اس کے پیچھے سماج کے کمزور افراد کے ساتھ تعاون کا جذبہ کارفرما ہے، اور روزہ کے ذریعہ غریبوں کے دکھ اور ان کی فاقہ کشی کی مصیبت کا خوشحال لوگوں کو احساس دلانا مقصود ہے۔

مذہب:

مذہب سے انسان کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے تعلیمی ادارہ خواہ سرکاری اور عصری علوم کی تعلیم کا ہو مگر اس میں بھی مذہبی تعلیم کا نظم ہونا ضروری ہے، کیونکہ مذہب کی تعلیم انسان کو انسان بنانے کے لئے۔ روحانیت پیدا کرنے کے لئے ہے، اعمال واخلاق کی اصلاح کے لئے ہے اس لئے ہر تعلیمی ادارہ کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو مذہبی تعلیم دینے کا نظم کرے۔ اور اگر بالفرض سرکاری اداروں میں اس کا نظم نہ ہو تو اپنے طور پر اس کا نظم کریں، تاکہ بچے دین سے بے بہرہ اور بے گانہ نہ رہیں۔

Scanned with CamScanner

ملک کی معیشت تباہی کے دہانے پر!

مولانا سرفراز احمد قاسمی (حیدرآباد)

بھارت کا ایک چھوٹا سا پڑوسی ملک "سری لنکا" ان دنوں شدید معاشی بحران کا شکار ہے اور وہ پوری طرح کنگال ہوچکا ہے، وہاں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، روزمرہ کی بنیادی اشیاء عوام کی پہونچ سے باہر ہوچکی ہے، گذشتہ ایک ہفتے سے وہاں افراتفری جاری ہے، سری لنکا میں معاشی و مالیاتی بحران شدید ہوچکے ہیں اور وہاں کی عوام سخت دشواریوں کا سامنا کررہی ہے، صدر جی راجہ پکشے نے اس بحران سے نمٹنے کیلئے ایک اہم اقدام کے طور پر ملک میں ایمرجنسی نافذ کردی ہے، گذشتہ دنوں سری لنکا کیدارالحکوت کولمبو میں عوام سڑکوں پر نکل پڑے تھے، اور صدر کی قیام گاہ کے سامنے بڑے پیمانے پر جمع ہوکر شدید احتجاجی مظاہرہ کیا تھا اور ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا تھا، جسکے بعد صدر نے ایمرجنسی نافذ کردی تھی، خبروں کے مطابق وہاں گذشتہ ایک ماہ سے احتجاج کا سلسلہ جاری ہے، وہاں کی عوام ملک کے معاشی و مالیاتی بحران کے لئے سری لنکا کی موجودہ حکومت کو ذمہ دار قرار دیتی ہے، کسی بھی ملک میں درپیش سنگین مسائل کو حل کرنے کیلئے جب بھی عوام کوئی احتجاج منظم کرتے ہیں تو حکومت وقت اسے اپنے خلاف منظم سازش قرار دیتے ہوئے اسے بدنام اور رسوا کرنے کی کوشش کرتی ہے، سری لنکا کی حکومت بھی یہی کھیل کھیل رہی ہے، حالانکہ حکومت کی اولین ذمہ داری معاشی و مالیاتی بحران سے نمٹنے کیلئے ٹھوس اقدامات کرنا ہے، لیکن ایمرجنسی کے نفاذ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت عوام کی آواز کچل دینا چاہتی ہے، سری لنکا میں اسوقت کرنسی ایندھن اور غذائی اشیاء کا شدید بحران ہے، وہاں کے موجودہ صدر 2019 سے حکومت کررہے ہیں، انکی پارٹی سری لنکا پوڈو جانا نے 2020 میں پارلیمانی الیکشن میں شاندار کامیابی حاصل کی تھی، اسوقت راجہ پکشے کو معاشی و مالیاتی بحران کے چیلنج سے نمٹنے کیلئے اپوزیشن سمیت دیگر سیاسی لیڈران کے علاوہ سب کا تعاون حاصل کرنا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، ایمرجنسی کے نفاذ سے برسر اقتدار پارٹی اور اپوزیشن دونوں میں فاصلے بڑھ گئے ہیں، سری لنکا عرصہ سے معاشی مسائل سے نمٹ رہا ہے، اس دوران کورونا وباء سے معیشت پر کاری ضرب لگی اور اب حکومت بے شمار مسائل میں گھر چکی ہے، حکومت کے شہرت پسند اقدامات کی وجہ سے سرکاری خزانے پر بھاری بوجھ پڑا جسکے نتیجے میں جاریہ بحران سے نمٹنا حکومت کیلئے کافی مشکل ہوگیا ہے، حالات دن بہ دن وہاں خراب ہورہے ہیں، اور حکومت کے پاس ان حالات سے فوری نمٹنے کیلئے کوئی روڈ میپ بھی نہیں ہے جسکی وجہ سے اپوزیشن بھی حکومت پر شدید تنقید کررہی ہے، سری لنکا ایک طرف چین کے قرض کے جال میں پھنس چکا ہے تو دوسری طرف معاشی و مالیاتی بدنظمی کی وجہ سے آمدنی بری طرح متاثر ہورہی ہے، بگڑتی معاشی صورتحال کے درمیان کابینہ کے وزراء نے اجتماعی استعفیٰ دیدیا ہے، وزراء نے یہ قدم صورتحال سے نمٹنے میں حکومت کی ناکامی کے خلاف احتجاجاً اٹھایا ہے، بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق سری لنکا کے وزیراعظم مہندرا راجہ پکشے اور انکے بھائی گوٹابایا راجہ پکشے کے علاوہ تمام 26 وزراء نے اجتماعی استعفیٰ دیدیا ہے، سری لنکا جزیرے والا ملک ہے، جسکی کل آبادی تقریباً 20,2 ملین ہے، پارلیمنٹ میں 225 سیٹیں ہیں، وہاں مسلمانوں کی آبادی 7,6 فیصد ہے، سری لنکا بھارت کے جنوبی مشرقی، بحر ہند سے متصل واقع ہے، اسکے پاس 65,610 مربع کیلومیٹر (25,332 مربع میل) کا علاقہ ہے، ایک صدی سے زائد تک برطانیہ نے اس جزیرے پر حکومت کی اور پھر 4 فروری 1948 کو اسے مکمل طور پر آزاد کردیا گیا، اس آزادی کے بعد سے سری لنکا کو اب تک کے بدترین معاشی بحران کا سامنا ہے، یہ بحران ملک کے زر مبادلہ کے ذخائر میں بھاری کمی کے باعث پیدا ہوا ہے جو ایندھن کی درآمدات کی ادائیگی کیلئے استعمال ہوتے ہیں، اسوقت ملک بھر میں بجلی کی طویل بندش، اشیائے خوردونوش اور ادویات جیسی بنیادی اشیاء کی وہاں شدید قلت ہے، سری لنکا کو کبھی سونے کی لنکا بھی کہا جاتا تھا، لیکن آج وہاں حالات انتہائی تشویشناک ہیں وہاں حالت اتنے بدترین ہوچکی ہیں کہ امتحانات لکھنے کیلئے کاغذ تک دستیاب نہیں ہیں، ہر طرف دکانات، بینکس اور دوسر یاداروں پر عوام کی طویل قطاریں لگی ہیں، عالمی مارکٹ سے سامان خریدنے کیلئے انکے پاس پیسے نہیں ہیں، دودھ، دوائیں، پانی، پھل اور سبزیوں سمیت ضروریات کی تمام چیزوں کی شدید قلت ہوگئی ہے، گویا یہ ملک قحط سالی کا شکار ہوگیا ہے، روزمرہ کے اشیاء کی قیمت آسمان پر ہیں، دال کی قیمت 2020 میں 180 روپے فی کیلو تھی، آج 420 روپے فی کیلو ہے، یہی حال خوردنی تیل کا بھی ہے، 480 روپے فی لیٹر تیل دو سال میں 870 روپے فی لیٹر ہوگیا ہے، 2020 میں وہاں پٹرول 137 روپے فی لیٹر تھا جو آج 254 روپے فی لیٹر تک پہونچ گیا ہے، لوگوں کو کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں، حالات اتنے سنگین ہیں کہ وہاں پوری کابینہ کو راتوں رات استعفیٰ دینا پڑا، وہاں اس افراتفری، اور بدحالی کی کئی ایک وجوہات ہیں، ان میں سے ایک اہم اور بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بدعنوانی، جھوٹی ترقی کی تشہیر، عوام کو دکھائے جانے والے دلکش خواب، قرض کا بڑھتا شکنجہ، غلبہ کی سیاست اور نفرت کا فروغ بھی ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ ہندوستان کی طرح وہاں اقتدار سنبھالنے والے راجا پکشے کی حکومت نے بدھ مذہب کے قائدین کے اشارے پر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کردیا تھا، نفرت کا پرچار کرتے ہوئے وہاں بھی مسلمانوں کے خلاف مہم چلائی جارہی تھی، کبھی حجاب اور کبھی مساجد پر نشانے سادھے گئے تھے؛ لیکن حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی تھی، ان شرپسندوں پر لگام لگانے کیلئے وہاں کی حکومت نے کوئی اقدام نہیں کیا تھا، آج جبکہ وہاں بدترین معاشی بحران جاری ہے کیا اس سے بھارت کوئی سبق لینے کیلئے تیار ہے؟ سری لنکا آج جس موڑ پر کھڑا ہے بھارت بھی دانستہ اسی راستے پر جارہا ہے، اگر بھارت کے سیاسی لیڈروں نے اس سے کوئی عبرت حاصل نہیں کیا اور کوئی سبق نہیں لیا تو بھارت دوسری بدترین معاشی تباہی اور بحران کا مرکز بنے گا، ہندوستان کے موجودہ حالات پر ایک نگاہ ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ملک کے حالات بہت حد تک سری لنکا سے مماثلت رکھتے ہیں، جس طرح سری لنکا کی حکمراں سیاسی پارٹی نے اپنے انتخابی منشور میں مفت تقسیم کا وعدہ کیا اور اسے قرض لیکر پورا کررہی تھی، ٹھیک اسی طرح بھارت میں بھی ہورہا ہے، مفت تقسیم کی وجہ سے ملک کی کئی ریاستیں تباہی کی دہلیز پر کھڑی ہیں، اور نہ صرف ریاستوں کا خزانہ خالی ہے بلکہ قرض کے بھاری بوجھ کی وجہ سے انکی معیشت چرمراگئی ہے، صورتحال کی سنگینی کے پیش نظر ملک کے کئی نوکر شاہوں نے وزیراعظم نریندر مودی کو خبردار کیا ہے کہ ووٹروں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کیلئے سیاسی پارٹیوں کے ذریعے مفت تقسیم کا سلسلہ جاری ہے، جسکی وجہ سے ملک کی کئی ریاستیں تباہی کے دہانے پر پہونچ گئی ہیں، اگر اس رجحان کو نہ روکا گیا تو یہ ریاستیں سری لنکا اور یونان کی طرح کنگال ہوجائیں گی، وزیراعظم کے ساتھ چار گھنٹوں تک ہونے والی اس طویل میٹنگ میں چند سکریٹریوں نے اس بارے میں کھل کر بات کی، اور اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کچھ ریاستی حکومتوں کے عوامی اعلانات اور اسکیموں کو زیادہ دنوں تک جاری نہیں رکھا جاسکتا اور مفت والی اسکیمیں زیادہ دنوں تک نہیں چلائی جاسکتی، خاص طور پر مقروض ریاستوں میں اسطرح کی اسکیمیں چلانا بہت خطرناک ہے، ہمیں سری لنکا کی افراتفری سے سبق لینے کی ضرورت ہے، اگر ان پر فی الفور روک نہیں لگائی گئی تو اس سے ریاستیں مالی طور پر دیوالیہ ہوجائیں گی، ان نوکر شاہوں نے بتایا کہ پنجاب، دہلی، تلنگانہ، آندھرا پردیش اور مغربی بنگال جیسی ریاستوں کی جانب سے کئے جانے والے اعلانات غیر عملی ہیں اور انکا حل ڈھونڈنے کی ضرورت ہے، سیاسی جماعتوں کی جانب سے مفت بجلی اسکیم کی وجہ سے ریاست کے خزانے پر بوجھ پڑرہا ہے اور صحت و تعلیم جیسے اہم ترین سماجی شعبوں کیلئے رقم میں کٹوتی کی جارہی ہے، ان نوکر شاہوں کے انتباہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، آج ملک میں ووٹوں کی سیاست کی وجہ سے انتخابی وعدوں میں فری راشن سے لیکر دوسری چیزوں کی مفت تقسیم کی جو روایت چل پڑی ہے وہ انتہائی خطرناک ہے، مفت تقسیم کا یہ رجحان جہاں صاف شفاف انتخابات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، وہیں سرکاری خزانے پر بھاری بوجھ پڑرہا ہے، الیکشن جیتنے کیلئے سیاسی پارٹیاں دونوں ہاتھوں سے سرکاری خزانہ لٹاتی ہیں، آمدنی کے ذرائع محدود ہونے کے باوجود مفت تقسیم کی مختلف اسکیمیں جاری کردی جاتی ہیں، جسکے نتیجے میں ریاستیں قرض میں ڈوب جاتی ہیں، اب تک ریاستوں پر کتنا قرض ہے اور انکی حالت کیا ہے؟ آیئے ذرا ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالتے ہیں، یوپی 6,53 لاکھ کروڑ روپے، مغربی بنگال 5,62 لاکھ کروڑ روپے، گجرات 5,02 لاکھ کروڑ روپے، آندھرا پردیش 3,98 لاکھ کروڑ روپے، پنجاب 2,82 لاکھ کروڑ روپے اور بہار 2,46 لاکھ کروڑ روپے قرض واجب الادا ہے جسے ریزرو بینک آف انڈیا کو لوٹانا ہے، سری لنکا میں بھی یہی کچھ ہوا تھا جسکا نتیجہ آج وہاں کے عوام بھگت رہے ہیں، سیاسی پارٹیوں کو یہ سمجھنا ہوگا کہ مفت اسکیم کی سیاست ملک کو زوال کی جانب لے جارہی ہے، اگر سیاسی جماعتوں اور ریاستی حکومتوں نے یہ رویہ ترک نہیں کیا تو اسکا خمیازہ پورے ملک کو بھگتنا پڑیگا، ابھی وقت ہے سری لنکا سے سبق لیتے ہوئے اس پر سنجیدگی سے غور کیا جانا چاہئے، ملک کی ترجیح عوامی مقبولیت والی اسکیموں کے بجائے ایسی معاشی پالیسی ہونی چاہئے جس میں نکاڈ ہوتا کہ ترقی کا فائدہ ملک میں بسنے والے ہر شخص کو پہونچے اور سری لنکا جیسے حالات سے بھارت کو محفوظ رکھا جاسکے، دو کروڑ 20 لاکھ آبادی والے ملک سری لنکا کی جب اتنی سنگین حالت ہے تو اگر ہندوستان اس بحران میں مبتلا ہوگیا تو پھر کیا ہوگا؟ اسوقت بھارت کی حالت یہ ہے کہ یہاں کی بعض ریاستوں کی حالت سری لنکا سے بھی بدتر ہوچکی ہے، سری لنکا سوا دو کروڑ کی آبادی والا ملک ہے اس سے کئی گنا زیادہ آبادی یہاں کی ریاستوں میں ہے، اور یہاں کی ریاستیں بری طرح قرض میں ڈوب چکی ہیں، یہاں بینک کو لوٹنے اور اسے کنگال بنانے کا سلسلہ بھی جاری ہے، کارپوریٹ کو بڑی تعداد میں حکومت کی جانب سے رعایت دی جارہی ہے اور انکے قرضے معاف کئے جارہے ہیں، بھارت کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم یہاں کا جائزہ لیں تو یہاں کی ہر ریاست اپنی جی ڈی پی کے اعتبار سے 35 فیصد قرض میں ڈوبی ہوئی ہیں، اگر ملک کی ساری ریاستوں کا قرض ملا دیا جائے تو بھارت کا قرض 80 لاکھ کروڑ روپے سے زائد ہوجاتا ہے، ایک طرف بھارت کنگال ہورہا ہے، بعض ریاستوں پر جی ڈی پی کے اعتبار سے 50 فیصد سے زیادہ کا قرض ہے، ایسے میں وہ ریاست تو بالکل کنگال ہوچکی ہیں، دوسری طرف اڈانی کا کاروبار 100 ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہوچکا ہے، اب آپ سمجھئے کہ ایک ایسے وقت میں جبکہ بھارت کی معیشت مسلسل نازک بنتی جارہی ہے اور بھارت کنگال ہونے کی جانب بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے، اڈانی کا نیٹورک 100 ارب ڈالر پر پھیل جائے اسکا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اور اس سے زیادہ افسوس کی بات کیا ہوگی کہ ہندوستان میں پیدا ہونے والا ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ قرض میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور 50 ہزار سے زیادہ کا وہ مقروض ہوتا ہے، سوا ارب ڈالر کے ساتھ گوتم اڈانی ایشیا کے سب سے امیر ترین شخص ہیں، اور 99 ارب ڈالر کے ساتھ انیل امبانی ایشیا کے دوسرے نمبر کے سب سے مالدار شخص ہیں اور ان دونوں کا تعلق بھارت ہے، سوال یہ ہے کہ بھارت میں مہنگائی، بے روزگاری اور بھوک مری جب عروج پر ہے ایسے مالداروں کی دولت میں مسلسل اضافہ کیسے ہورہا ہے؟ حکومت کی غلط پالیسی کی وجہ سے ملک کا غریب اور غریب ہوتا جارہا ہے اور دولت مند مزید مالدار ہوتا جارہا ہے، ملک کی معیشت تباہی کے دہانے پر ہے لیکن اسکے باوجود مودی سینٹرل وسٹا کی تعمیر کے ہزاروں کروڑ روپے خرچ کررہے ہیں، اپنے لئے 14 / 14 کروڑ کا جہاز خرید رہے ہیں، روزانہ دس لاکھ روپے کا سوٹ زیب تن کررہے ہیں، لوگ دانے دانے کو محتاج ہیں لیکن اسکے باوجود وزیراعظم لاکھوں روپے کی کار ہر سال تبدیل کررہے ہیں، کیا اسطرح ملک ترقی کرے گا؟ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ حکومت کی یہ غلط پالیسی بہت جلد ملک کو اقتصادی بحران میں مبتلا کردے گی؟ اس ملک کو سری لنکا کی طرح کنگال بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، لیکن ابھی بھارت کے لوگوں کو اس سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، کیوں کہ ابھی یہاں نفرت کی کھیتی کرنی ہے، اسکو فروغ دینا ہے، اور ہندو مسلم کرکے ووٹ حاصل کرنا ہے اور پورے ملک میں مسلم مخالف ماحول تیار کرنا ہے، ابھی اس ملک کے لئے مہنگائی، بے روزگاری اور بھوک مری کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے، سری لنکا پر اس کے جی ڈی پی سے 93 فیصد قرض زیادہ ہوگیا اور سری لنکا دیوالیہ ہوگیا۔ ہمارا ملک بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ انڈیا پر بھی اس کی جی ڈی پی سے 83 فیصد زیادہ قرض ہوچکا ہے۔ لیکن یہاں کے لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ مذہب کے نام پر جس دہشت گردانہ ذہن کی تشکیل کی گئی ہے وہ صرف کسی معصوم کا خون پی کر سکون پاتا ہے اسے دوسرے مسائل سے کوئی مطلب نہیں، اسلئے بےفکر رہئے کہ اتنی جلدی بھارت سری لنکا کی طرح دیوالیہ نہیں ہوگا۔

Scanned with CamScanner

اخبار جہاں

سید محمد عادل فریدی

مسجد الاقصیٰ میں اسرائیلی پولیس کا نمازیوں پر دھاوا، 11 فلسطینی زخمی

یروشلم میں جمعہ کو اسرائیلی پولیس اور مسجد الاقصیٰ میں جمع نمازیوں کے درمیان جھڑپوں میں متعدد فلسطینی زخمی ہو گئے ہیں۔ موقع پر موجود اے ایف پی کے ایک فوٹوگرافر نے بتایا کہ اسرائیلی پولیس نے مسجد الاقصیٰ کے احاطے پر دھاوا بولا اور پتھراؤ کررہے فلسطینیوں پر آنسو گیس کی شیلنگ کی اور ربڑ کی گولیاں چلائیں۔ فلسطینیوں اور اسرائیلیوں میں تناؤ میں حالیہ اضافہ یہودی تہوار 'پاس اوور' اور اسلام کے مقدس مہینے رمضان کے ایک ساتھ آنے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسرائیلی پولیس نے فلسطینیوں پر الزام عائد کیا کہ اُنھوں نے مغربی دیوار کی طرف پتھراؤ کیا تھا جس کے بعد پولیس نے ہجوم کو منتشر کیا۔ واضح رہے کہ گذشتہ ہفتے سے اب تک 200 سے زیادہ افراد اسرائیلی قبضے میں موجود مشرقی یروشلم میں مسجد الاقصیٰ کے اردگرد ہونے والی جھڑپوں میں زخمی ہوئے ہیں۔ ان افراد میں غالب اکثریت فلسطینیوں کی ہے۔ عالمی برادری کو تشویش ہے کہ حالیہ واقعات ایک مرتبہ پھر گذشتہ سال جیسی صورتحال کو جنم دے سکتے ہیں جب بالآخر 11 روزہ جنگ شروع ہوگئی تھی۔ اے ایف پی کی رپورٹ کے مطابق مارچ کے اواخر سے اب تک اسرائیل میں 14 افراد ہلاک ہو چکے ہیں جن میں سے زیادہ تر عام شہری تھے۔ دوسری طرف 22 مارچ سے اب تک 23 فلسطینی ہلاک ہوئے ہیں، گذشتہ جمعہ کو بھی الاقصیٰ مسجد کے احاطے میں اسرائیلی پولیس کے ساتھ تصادم میں 150 فلسطینی شہری زخمی ہوئے تھے۔ (بی بی سی لندن)

شادی کے کھانے میں بھنگ ملانے کے جرم میں دلہن گرفتار

امریکی ریاست فلوریڈا میں پولیس نے ایک دلہن اور ان کی شادی کے کیٹرر کو مہمانوں کو کھانے میں مبینہ طور پر بھنگ ملا کر کھلانے کے الزام میں گرفتار کرلیا ہے۔ ڈانیا سوبودا نامی دلہن اور کیٹرر جوئے سلین برائن کو ملاوٹ کرنے، کوتاہی برتنے اور چرس فراہم کرنے کے الزامات کا سامنا ہے۔ حکام نے انھیں شادی کی تقریب کے کھانے اور مشروبات میں نشہ آور مواد کے ٹیسٹ کرنے کے بعد گرفتار کیا ہے۔ شادی کی یہ تقریب ریاست فلوریڈا کے شہر لانگ ووڈ میں 19 فروری کو منعقد ہوئی تھی۔ اس معاملے کی تفتیش کرنے والے حکام نے واقعے کی رپورٹ میں لکھا کہ تقریب میں شامل تقریباً 50 افراد نے شادی کے کھانے کے پکوانوں میں شامل میٹ بالز، سیزر سلیڈ، ٹورٹیلینی وغیرہ کھانے کے بعد پیٹ میں درد اور قے کی شکایت کی۔ متعدد کو طبیعت خراب ہونے پر ہسپتال منتقل کیا گیا۔ امریکہ کی دیگر بہت سی ریاستوں کے برعکس فلوریڈا میں طبی ضروریات کے لیے بھنگ کے استعمال کی اجازت ہے لیکن تفریحی مقاصد کے لیے اس کی ممانعت ہے۔ (بی بی سی لندن)

یوکرین میں روسی کارروائیاں جنگی جرائم کے زمرے میں: اقوام متحدہ

اقوام متحدہ نے روس پر الزام عائد کیا ہے کہ یوکرین میں روسی کارروائیاں ''جنگی جرائم تصور کی جاسکتی ہیں۔'' اقوام متحدہ کی جانب سے سامنے آنے والے بیان میں کہا گیا ہے کہ روسی فورسز شہریوں اور شہری املاک بہ شمول اسکولوں اور ہسپتالوں کو نشانہ بنارہی ہیں۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق کے دفتر کی جانب سے جاری کردہ بیان میں کہا گیا ہے کہ روسی فوج کی جانب سے گنجان آباد علاقوں پر شدید بمباری کی جارہی ہے۔ (ڈوئچے ویلے)

برطانیہ بھارت کو جدید ترین دفاعی ہتھیاروں کی پیشکش کرے گا

برطانوی وزیراعظم بورس جانسن اپنے بھارتی ہم منصب نریندر مودی سے ملاقات میں بھارت کے لیے جدید دفاعی ہتھیاروں کی فراہمی کی پیشکش کریں گے۔ اس کا مقصد روس پر بھارت کے عسکری انحصار کو کم کرنا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اس ملاقات میں بورس جانسن یوکرین کے معاملے پر بھارتی موقف پر بھی گفتگو کریں گے۔ نئی دہلی میں صدارتی محل میں دیے گئے استقبالیے کے موقع پر بورس جانسن نے کہا ہے کہ بھارت کے ساتھ تعلقات ماضی کے مقابلے میں اِس وقت نہایت اچھے ہیں۔ واضح رہے کہ یوکرین کے معاملے پر بھارت نے اب تک غیر جانبدار موقف اپنا رکھا ہے اور روسی جارحیت کی براہ راست مذمت سے اجتناب برتا ہے۔ (ڈوئچے ویلے)

ارتھ ڈے کے موقع پر دنیا بھر میں روایتی ایندھن کے استعمال کے خلاف ریلیاں

ارتھ ڈے کے موقع پر ماحول دوست تنظیموں اور کارکنان کی جانب سے دنیا بھر میں ریلیاں نکالی جارہی ہیں، جن میں فوسل فیول سمیت ماحولیاتی تباہی میں شامل عناصر کے خاتمے پر زور دیا جارہا ہے۔ یورپ میں ہونے والے مظاہروں میں روس سے تیل اور گیس کی درآمد پر مکمل پابندی کے مطالبات بھی کیے جارہے ہیں۔ اسی تناظر میں برلن، برسلز اور وارسا میں بڑی ریلیاں نکالی گئیں۔ (ڈوئچے ویلے)

افغانستان: متعدد دھماکوں میں دس افراد ہلاک چالیس زخمی

افغانستان کے مختلف علاقوں میں جمعرات کو، پولیس کے مطابق، سلسلے وار دھماکوں میں کم از کم دس افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے ہیں۔ کسی نے تا حال ان حملوں کی ذمہ داری قبول نہیں کی ہے تاہم ملک میں اقلیتی شیعہ مسلک کے افراد پر ہونے والے حملوں میں ماضی میں داعش سے منسلک گروپ داعش (خراساں) ملوث رہا ہے۔ یہ گروپ صوبہ خراساں سے متحرک ہے۔ جمعرات کو ہونے والے حملوں میں تین حملے مزار شریف میں ہوئے جس میں دس افراد ہلاک اور چالیس افراد زخمی ہوئے ہیں، جنہیں ایمبولینسوں اور پرائیویٹ گاڑیوں کے ذریعے اسپتال لایا گیا، مزار شریف میں سائے دوکن کی مسجد میں دھماکہ ایسے وقت میں ہوا جب وہاں مسلمان عبادت میں مصروف تھے۔ جمعرات ہی کو کابل میں سڑک کنارے نصب بم کے پھٹنے سے دو بچے زخمی ہو گئے۔ اس بم حملے میں بھی اہل تشیع کو نشانہ بنایا گیا تھا کیونکہ یہ دھماکہ دشت برشی کے علاقے میں ہوا جہاں کے لوگوں کی اکثریت کا تعلق شیعہ کمیونٹی سے ہے۔ دو روز قبل اسی علاقے میں متعدد دھماکوں میں تعلیمی اداروں کو ہدف بنایا گیا تھا اور ان دھماکوں میں کم از کم چھ افراد ہلاک ہو گئے تھے جن میں سے اکثریت بچوں کی تھی۔ جب کہ 17 افراد زخمی بھی ہوئے تھے۔ (وائس آف امریکہ)

تعلیم و روزگار

کرناٹک میں پی یو سی امتحانات شروع، حجاب مسئلہ پر دو طالبات نے کیا واک آؤٹ

حجاب کے حق میں احتجاج کرنے والی دو طالبات جمعہ کے روز کرناٹک پی یو سی کے بورڈ امتحان سے واک آؤٹ کر گئی ہیں، جن کی شناخت ریشم اور عالیہ کے نام سے ہوئی ہے، یہ دونوں حجاب (ہیڈ اسکارف) پہن کر امتحانی مرکز پہنچیں جن پر ہائی کورٹ کے مطابق تعلیمی اداروں میں پابندی عائد کردی گئی ہے۔ دونوں طالبات کو اڈوپی کے ودیودیا پی یو کالج میں امتحان دینا تھا جہاں انہوں نے مبینہ طور پر حکام سے کہا کہ وہ انہیں حجاب پہن کر امتحان دینے کی اجازت دیں، تاہم تقریباً 45 منٹ تک بحث کے بعد دونوں کو اجازت نہیں دی گئی۔ عدالت نے اس سے قبل تعلیمی اداروں میں حجاب پر ریاستی حکومت کی پابندی کو برقرار رکھا تھا۔

اطلاع کے مطابق کرناٹک پی یو سی کے امتحانات میں کل 6,84,255 طلبا نے شرکت کی۔ یہاں 6,00,519 ریگولر طلبہ، 61,808 ریپیٹر اور 21,928 پرائیویٹ امیدوار ہیں۔ امتحانات ریاست بھر میں 1,076 مراکز پر منعقد ہورہے ہیں۔ (نیوز۔۱۸)

سی آر پی ایف میں مختلف ملازمتوں کے لیے ویکنسی

سینٹرل ریزرو پولیس فورس (CRPF) نے ڈپٹی کمانڈنٹ انجینئر کے عہدوں کے لیے امیدواروں سے درخواستیں طلب کی ہیں۔ اہل امیدواروں کو واک ان انٹرویو کے لیے حاضر ہونا پڑے گا جو 19 مئی 2022 کو شروع ہوگا۔ اس بھرتی مہم کے ذریعے کل 11 آسامیاں پُر کی جائیں گی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ تقرری ایک سال کے لیے کنٹریکٹ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے امیدواروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ CRPF کی آفیشل ویب سائٹ www.crpf.gov.in دیکھیں۔

(1) انٹرویو کا مقام I: DIGP, CRPF, Jharoda Kalan, New Delhi
انٹرویو کی تاریخ: 19 مئی تا 20 مئی 2022 انٹرویو کا وقت: صبح 9 بجے سے صبح 6 بجے تک ہوگا۔

(2) مقام II: DIGP, CRPFGC، گوہاٹی، آسام انٹرویو کی تاریخ: 25 مئی تا 26 مئی 2022۔ انٹرویو کا وقت: صبح 9 بجے سے صبح 6 بجے تک ہوگا۔

(3) مقام III: ڈی آئی جی پی، جی سی، سی آر پی ایف، حیدرآباد، تلنگانہ انٹرویو کی تاریخ: 1 جون سے 2 جون، 2022۔ انٹرویو کا وقت: صبح 9 بجے سے صبح 6 بجے تک ہوگا۔

سینٹرل ریزرو پولیس فورس بھرتی 2022 کیلئے اہلیت کا معیار: امیدوار کا ہندوستانی شہری ہونا چاہیے اور اس کے پاس کسی تسلیم شدہ یونیورسٹی یا ادارے سے سول انجینئرنگ میں ایم ٹیک/ایم ای ڈگری ہونی چاہیے جس میں عمارتوں کی منصوبہ بندی، تعمیر اور دیکھ بھال، معاہدہ دستاویزات/NITS میں کم از کم پانچ سال کا تجربہ ہو۔

تنخواہ اور عمر کی حد: کنٹریکٹڈ ڈپٹی کمانڈنٹ (انجینئر) کا مجموعی معاوضہ 75,000 روپے ہوگا۔ درخواست کے آخری دن زیادہ سے زیادہ عمر کی حد 45 سال ہے۔ دلچسپی رکھنے والے اور اہل امیدواروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مطلوبہ دستاویزات کے ساتھ مقررہ وقت پر انٹرویو سینٹر پہنچ جائیں۔ (نیوز۔۱۸)

تلنگانہ میں 80000 سرکاری ملازمتیں، امیدواروں کیلئے کوچنگ کلاسز کا آغاز

تلنگانہ حکومت جلد ہی ریاست میں 80000 ملازمتوں کے لیے ویکنسی نکال رہی ہے۔ چیف منسٹر کے سی آر (KCR) کی ہدایت کے مطابق خالی آسامیوں کو اولین ترجیح پر پُر کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں امیدواروں کی مدد کے لیے ریاستی حکومت نے مسابقتی امتحانات کے لیے کوچنگ کلاسز کا آغاز کیا ہے۔ کوچنگ کلاسز کا آغاز ریاستی وزیر تعلیم پی سبیتا اندرا ریڈی نے کیا ہے۔ افتتاحی تقریب 20 اپریل کو منعقد ہوئی تھی اور اس میں تلنگانہ اسٹیٹ کونسل آف ہائر ایجوکیشن کے چیرمین پروفیسر آر لمباردی اور وائس چیرمین پروفیسر وی وینکٹا رمنا اور چھ یونیورسٹیوں جیسے عثمانیہ یونیورسٹی، کاکتیہ یونیورسٹی، پالامورو یونیورسٹی، تلنگانہ یونیورسٹی، ستواہانہ یونیورسٹی اور مہاتما گاندھی یونیورسٹی، نلگنڈہ کے وائس چانسلرس نے شرکت کی۔ نئی شروع کی گئی کوچنگ کلاسز سے طلبہ، خاص طور پر غریب یا EWS زمرہ یا دیہی طبقے کے طلبہ کو ریاست کی طرف سے منعقد کئے جانے والے مختلف مسابقتی امتحانات میں سبقت حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔

ان کلاسز کا انعقاد یونیورسٹیوں کے پروفیسرز اور متعلقہ شعبوں کے ماہرین کریں گے جس میں وہ طلبہ کو ملازمت کی تقرری اور مسابقتی امتحانات کے لیے تیار کریں گے۔ کلاسز کے ساتھ ساتھ یہ پروگرام طلبہ کو مناسب انفراسٹرکچر، کتابیں اور حوالہ جات فراہم کر کے امتحانات کا سامنا کرنے کے لیے تمام ضروری مدد بھی فراہم کرے گا۔ امتحانات میں بہتر کارکردگی دکھانے کے لیے قومی سطح کے انٹرویوز کے فرضی انٹرویوز اور سیمپل سوالیہ پرچے بھی طلبہ کو دیے جائیں گے۔ اس سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ تلنگانہ میں 80 ہزار نئی نوکریوں کا اعلان تو کردیا گیا ہے لیکن پہلے سے وعدہ شدہ اردو کی 558 ملازمتیں ہنوز خالی ہیں۔ (بحوالہ نیوز۔۱۸)

اعلان تعطیل

قارئین کرام! رمضان المبارک کا یہ آخری شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، عید الفطر کی تعطیل کے سبب نقیب کا دفتر بند رہے گا، ان شاء اللہ اس کا اگلا شمارہ ۱۶ رمئی ۲۰۲۲ء کو منظر عام پر آئے گا، قارئین نقیب کو عید الفطر کی پُرخلوص مبارک باد۔

محمد اسعد اللہ قاسمی

(منیجر ہفت روزہ نقیب)

Scanned with CamScanner

متحدہ عرب امارات کی نئی ویزا پالیسی، اب سیاح 60 روز تک قیام کر سکیں گے

متحد عرب امارات نے عالمی ٹیلنٹ اور ہنر مند ورکرز کو رکھنے کے لیے ویزوں اور ملک میں داخلے کا ایک نیا نظام متعارف کرایا ہے۔ حکومتِ امارات کے میڈیا آفس کے مطابق رہائش کے لیے ویزوں اور داخلے کا نیا نظام سرمایہ کاروں، ہنر مند (سکلڈ) ملازمین، بزنس مین اور خاندان کے دیگر افراد کے نئے طرز کے ریزیڈنسی پرمٹ آفر کرتا ہے۔ اس نئے نظام کا اعلان پیر کو کابینہ کے ایک اجلاس میں کیا گیا جس کی صدارت متحدہ عرب امارات کے نائب صدر، وزیر اعظم اور دبئی کے حکمران شیخ محمد بن راشد المکتوم کر رہے تھے۔

یو اے ای حکومت کے میڈیا آفس کے مطابق بڑی اصلاحات میں تمام اقسام کے ویزوں کے لیے داخلے کی ضروریات کو آسان بنانا اور ویزے میں طویل دورانیے کی پیشکش کرنا شامل ہے جو آنے والوں کی ضروریات اور دورے کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔ اس نئے نظام میں گولڈن ریزیڈنس، گرین ریزیڈنس، خاندان کے افراد کے لیے نئے فوائد، انٹری ویزا کے لیے نیا نظام، نوکری ڈھونڈنے کے لیے انٹری ویزا، بزنس انٹری ویزا، سیاحتی ویزا، رشتہ داروں اور دوستوں کو ملنے کے لیے انٹری پرمٹ، کسی عارضی ورک مشن کے لیے انٹری پرمٹ، تعلیم اور تربیت کے لیے انٹری پرمٹ وغیرہ شامل ہیں۔ امارات کی سرکاری نیوز ایجنسی وکالہ انباالامارات (وام) نے ویزا نظام کے نئے درجوں کی تفصیل کچھ اس طرح بتائی ہے۔

گولڈن ریزیڈنس: یہ طویل مدتی 10 سالہ ریزیڈنس سرمایہ کاروں، کاروباری افراد، غیر معمولی ہنر مندوں، سائنسدانوں اور پیشہ ور افراد، انتہائی قابل طلبہ اور گریجویٹس، انسانی ہمدردی کے علمبرداروں اور صف اول کے ہیروز کو دی جاتی ہے۔ حالیہ ترامیم میں گولڈن ریزیڈنس ہولڈر کو اجازت ہوگی کہ وہ اپنے خاندان کے ممبران بشمول شریک حیات اور بچوں کو ان کی عمر سے قطع نظر، اور سپورٹ سروسز (گھریلو) ملازمین کو ان کی تعداد کو محدود کیے بغیر اسپانسر کر سکیں۔ گولڈن ریزیڈنس کو درست رکھنے کے لیے متحدہ عرب امارات سے باہر قیام کی زیادہ سے زیادہ مدت سے متعلق اب کوئی پابندی نہیں ہے۔ خاندان کے ممبران کے لیے دیگر فوائد ہیں جو انھیں گولڈن ریزیڈنس کے اصل ہولڈر کی موت کی صورت میں اجازت نامے کی مدت کے اختتام تک متحدہ عرب امارات میں رہنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اسی طرح پروفیشنلز کے لیے گولڈن ریزیڈنس میں بھی بہت توسیع کی گئی ہے اور اس میں سبھی شعبوں بشمول میڈیسن، سائنسز، انجینیئرنگ، انفارمیشن ٹیکنالوجی، بزنس اور ایڈمنسٹریشن، تعلیم، قانون، ثقافت اور سوشل سائنسز کو شامل کیا گیا ہے۔

گرین ریزیڈنس: اس درجے کے اندر ہنر مند ملازمین کے لیے بغیر کسی اسپانسر یا آجر کے پانچ سال کی رہائش کا اعلان کیا گیا ہے، بس درخواست دہندگان کے پاس ضابطے کے مطابق ملازمت کا ایک درست معاہدہ ہونا چاہیے اور انسانی وسائل اور امارات کی وزارت کے مطابق پہلی، دوسری یا تیسری پیشہ ورانہ سطح میں درجہ بندی ہونی چاہیے، اس کے لیے کم از کم تعلیمی سطح بیچلرز ڈگری یا اس کے مساوی ہونی چاہیے، اور تنخواہ 15 سو درہم سے کم نہ ہو۔ فری لانسرز اور خود کے لیے کام کرنے والے (سیلف ایمپلائڈ) افراد کے لیے اسپانسر اور آجر کے بغیر پانچ سال کی ریزیڈنسی کا اعلان کیا گیا ہے، اس کے لیے انھیں صرف ہیومن ریسورز کی وزارت سے پرمٹ لینا ہوگا اور ان کی سالانہ آمدنی تین لاکھ ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ اسی قسم کے فوائد سرمایہ کار یا پارٹنر کو بھی حاصل ہوں گے۔ نئی اسکیم میں خاندان کے ارکین کے لیے زیادہ فوائد رکھے گئے ہیں۔ اسپانسر کیے جانے والے بچوں کی عمر 18 سال سے بڑھا کر 25 سال کر دی گئی ہے اور غیر شادی شدہ بچیوں کی عمر پر اب کوئی قید نہیں ہے۔ گرین ریزیڈنس رکھنے والوں کو اب یہ بھی اجازت ہے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی ریزیڈنس پرمٹ جاری کر سکتے ہیں۔

سیاحتی ویزے: متحدہ عرب امارات میں سیاحت کے شعبے کی طرف سے سپانسر کردہ باقاعدہ سیاحتی ویزے کے علاوہ، ایک پانچ سالہ ملٹی انٹری ٹورسٹ ویزا بھی متعارف کرایا گیا ہے۔ اس قسم کے ویزے کے لیے کفیل کی ضرورت نہیں ہے اور یہ اس شخص کو ملک میں مسلسل 90 دنوں تک رہنے کی اجازت دیتا ہے، اور اس میں اتنی ہی مدت کے لیے توسیع کی جاسکتی ہے، بشرطیہ کہ قیام کی پوری مدت ایک سال میں 180 دنوں سے زیادہ نہ ہو، تاہم ستمبر سے ملٹی انٹری ٹورسٹ ویزے کے علاوہ بھی عام سیاح متحدہ عرب امارات میں 60 دن تک قیام کر سکیں گے، اس طرح کابینہ کے فیصلے میں امارات میں سیاحت کے لیے قیام کی مدت اب دگنی کر دی گئی ہے۔ اس سے ان افراد کو فائدہ ہوگا جو لمبے عرصے تک امارات میں چھٹیاں منانا چاہتے ہیں یا پھر وہ جو سوچتے ہیں کہ یہاں مستقل طور پر رہا جائے اور اس طرح ان کو زیادہ وقت مل جائے گا کہ وہ روزگار کے نئے مواقع ڈھونڈ سکیں۔

سوشل میڈیا پر خوشی: کابینہ کے اس اعلان کے بعد سوشل میڈیا پر بہت سے صارفین نے ویزا حاصل کرنے میں نرمی اور ترامیم کے اس اعلان کو سراہا ہے۔ ایک صارف روتاوی مہتا نے لکھا کہ "یہ سب سے بہتر خبر ہے۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ بطور ایک فری لانسر میں پانچ سال کے لیے تھرڈ پارٹی ایجنسی کے بغیر گرین ریزیڈنسی کے لیے کسی طرح اپلائی کر سکتی ہوں۔" ایک اور صارف رابیہ محفوظ نے بھی یہی سوال کیا کہ وہ کس طرح گرین ریزیڈنس ویزے کے لیے اپلائی کر سکتی ہیں۔ انھوں نہ کہا مہربانی کر کے انھیں بتایا جائے کہ لنک کہاں ہے۔ تاہم ذبجید ورنامی صارف نے گلہ کیا کہ نائجیریا کے باشندے امپلائمنٹ ویزے لے سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی تجدید کرا سکتے ہیں۔

سیاحوں میں اضافہ: دبئی میں کووڈ 19 کے بحران کے بعد اب سیاحوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ امارات کے آن لائن اخبار دی نیشنل کے مطابق 2021 میں دبئی انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے ٹرمینلز سے تین کروڑ مسافر گزرے ہیں۔ یہ ہوائی اڈے کے مقرر کردہ دو کروڑ 80 لاکھ کے ہدف سے زیادہ تھا لیکن 2019 میں اس کا استعمال کرنے والے تقریباً ساڑھے آٹھ کروڑ مسافروں سے کم تھا۔ دی نیشنل کے مطابق دبئی کے ہوائی اڈے کے سربراہوں نے پیشگوئی کی ہے کہ اس سال تقریباً چھ کروڑ مسافر ہوائی اڈے کا استعمال کریں گے کیونکہ ٹریفک اور دبئی کی سیاحت کی صنعت کی بحالی جاری ہے۔

متحدہ عرب امارات کی قومی ایئرلائن الامارات کی اپنی ویب سائٹ کے مطابق بھی کووڈ 19 کے بحران کے باوجود 2020 میں ایئرلائن میں ایک کروڑ 58 لاکھ مسافروں نے سفر کیا تھا۔ **(بحوالہ بی بی سی لندن)**

ماں کی تنخواہ مانگنے پر دلت بچے سے پاؤں چٹوائے گئے

بھارت میں نچلی ذات کے دلتوں کے خلاف زیادتی کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اتر پردیش میں رونما ہونے والے ایک تازہ واقعے میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے ایک دلت بچے سے اپنے پیر چٹوائے۔ سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی ایک ویڈیو وائرل میں دیکھا جا سکتا ہے کہ چند نوجوان ایک طالب علم کو پہلے بری طرح مار پیٹ رہے ہیں اور پھر اسے پیر چاٹنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ مجبور طالب علم ہندوؤں میں نچلی ذات کے دلت برادری سے تعلق رکھتا ہے، جب کہ اسے مارنے اور اس کے ساتھ زور زبردستی کرنے والے اعلیٰ ذات کے "ٹھاکر" ہیں۔ اس ویڈیو کو دلت وائس نامی تنظیم کے ٹوئٹر پر شیئر کیا ہے۔ آل انڈیا دلت مہیلا ادھیکار منچ کی نیشنل کنوینر ول تھورات کہتی ہیں، "دلتوں کو کسی کیس کو حتمی انجام تک پہنچانے کے لیے برسوں جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ 20 فیصد سے بھی کم کیسز میں سزا ہو پاتی ہے اور نصف سے زائد کیسز کو آگے بڑھایا ہی نہیں جاتا ہے، کیونکہ بالعموم متاثرہ کنبوں پر مختلف طرح کے سخت دباؤ ہوتے ہیں۔" ول تھورات کا کہنا تھا، "بعض ریاستوں میں دلتوں کے خلاف دشمنی اور میڈیکل افسران اور پولیس اہلکاروں کی اعلیٰ ذات کے گروپوں کے ساتھ ملی بھگت کے نتیجے میں شکایت کنندہ کو مصالحت کے لیے مجبور کر دیا جاتا ہے۔"

واقعہ کیا تھا؟ ڈھائی منٹ کی اس ویڈیو میں دیکھا جا سکتا ہے کہ سزا کے طور پر ایک لڑکا کان پکڑے ہوئے زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔ ملزم موٹر سائیکلوں پر بیٹھے ہیں اور وہ لڑکے پر ہنس رہے ہیں، جو خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہا ہے۔ ایک ملزم متاثرہ لڑکے سے کہتا ہے، "دوبارہ ایسی غلطی کرو گے؟"

میڈیا رپورٹوں کے مطابق متاثرہ دلت لڑکا دسویں کلاس کا طالب علم ہے، وہ اپنی بیوہ ماں کے ساتھ رہتا ہے، اس کی ماں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے کھیتوں میں کام کرتی ہے۔ جب دلت لڑکا اپنی ماں کی مزدوری مانگنے گیا تو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے اسے پہلے تو بری طرح مارا پیٹا اور پھر ایک ملزم نے اس سے اپنے پیر چٹوائے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ 10 اپریل کو پیش آیا تھا۔ لیکن ویڈیو وائرل ہونے کے بعد ہی اس پر کارروائی کی گئی۔ پولیس نے بتایا کہ اس واقعے میں ملوث ہونے کے الزام میں سات افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اصل ملزم نوعمر ہے، اسے لیے اسے بچوں کے اصلاحی مرکز بھیج دیا گیا ہے، ضلع کے ایک اعلیٰ پولیس افسر کا کہنا تھا، "متاثرہ طالب علم نے پولیس میں شکایت درج کرائی ہے، جس کے بعد اس کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کے خلاف کیس درج کر لیا گیا ہے۔"

دلتوں کو اب بھی اچھوت سمجھا جاتا ہے: بھارت کو برطانوی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے تقریباً پچھتر برس گزر چکے ہیں اور یہ دنیا کی تیز رفتار ترقی کرنے والی معیشتوں کی اولین صف میں خود کو شامل کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاہم بھارت میں سماجی عدم مساوات، اونچ نیچ اور تفریق اب بھی عام ہے۔ اس کا سب سے زیادہ شکار دلت ہوتے ہیں، جنہیں ہندوؤں میں مذہبی لحاظ سے سب سے نچلے درجے کا سمجھا جاتا ہے۔ بھارت کی ایک اعشاریہ تین ارب کی آبادی میں سے لگ بھگ دو سو ملین افراد دلت ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں ہندو مذہبی روایات کے مطابق بھارتی معاشرے میں سب سے نچلی ذات تصور کیا جاتا ہے۔ گو کہ دلتوں کے ساتھ زیادتی کے خلاف سخت قوانین موجود ہیں، تاہم ان پر شاذ و نادر ہی عمل ہوتا ہے۔ دلت خواتین کی بے عزتی، ان کے ساتھ جنسی زیادتی، دلت نوجوانوں کو اچھے کپڑے پہننے حتیٰ کے مونچھ رکھنے پر مارنے پیٹنے کے واقعات عام ہیں، شادی کے موقع پر دلت دولہے کا گھوڑے پر سوار ہونا تو غیر معمولی واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ حال ہی میں راجستھان کے بوندی ضلع کے چھاڈی گاؤں میں شری رام میگھوال جب گھوڑی پر سوار ہو کر اپنی دلہن دروپدی کے گھر پہنچا تو ان کے ساتھ ڈنڈا بردار پولیس کی ایک نفری بھی موجود تھی۔ لیکن یہ پولیس والے باراتی نہیں تھے بلکہ ہندوؤں میں سب سے نچلی ذات کے سمجھے جانے والے دلت میگھوال کی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے حملے سے بچانے کے لیے تعینات کیے گئے تھے۔ چھاڈی گاؤں کے لیے یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس گاؤں کے لوگوں نے آج تک کسی دلت دولہے کو گھوڑی پر سوار نہیں دیکھا تھا۔ انہیں یہ خوف بھی ستا رہا تھا کہ کہیں اعلیٰ ذات کے ہندو ان پر حملہ نہ کر دیں۔ ان کا یہ خوف بے جا بھی نہیں تھا کیونکہ ایک روز قبل ہی پڑوسی ریاست مدھیہ پردیش کے ساگر ضلع میں دلت دولہے کے گھوڑے پر سوار ہونے کے "جرم" میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔

تین برس میں ایک لاکھ 30 ہزار سے زائد جرائم: مرکزی وزیر رام داس اٹھاولے نے مارچ میں بھارتی پارلیمان میں ایک سوال کے جواب میں بتایا تھا کہ پچھلے تین برس یعنی 2018 سے 2020 کے دوران دلتوں کے خلاف جرائم کے ایک لاکھ 38 ہزار 825 واقعات درج کرائے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ سن 2018 میں 42793 کیس، سن 2019 میں 45961 اور سن 2020 میں 50291 کیسز درج کرائے گئے۔ نیشنل کرائم ریکارڈز بیورو کی سن 2021 کی رپورٹ کے مطابق بھارت میں دلتوں کے خلاف جرائم میں 9.3 فیصد کی شرح سے اضافہ ہوا ہے۔ دلتوں کے خلاف سن 2020 میں جرائم کے سب سے زیادہ 12714 واقعات اتر پردیش میں درج کرائے گئے۔

جرائم کی اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ: سماجی کارکنوں کا کہنا ہے کہ دلتوں کے خلاف جرائم کے واقعات کی تعداد سرکاری اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ کافی دوڑ دھوپ اور دباؤ کے بعد بھی صرف پچاس فیصد واقعات میں ہی باقاعدہ کیس درج ہو پاتا ہے۔ اور اگر کیس درج بھی ہو گیا تو ملزموں کے خلاف بہت معمولی دفعات لگائے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ اکثر سزا سے بچ جاتے ہیں۔ ان کارکنوں کا کہنا ہے کہ سزا کی شرح صرف 15.7 فیصد ہے۔ **(بحوالہ ڈی ڈبلیو ڈاٹ کام)**

Scanned with CamScanner

بھارت میں مسلمانوں کے خلاف منافرت میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟

سہیل انجم

بھارت میں حالیہ کچھ برسوں کے دوران فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ہندو مسلم اتحاد کی صورتِ حال ابتر ہوئی ہے۔ مبصرین کے مطابق مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں میں منافرت کا ماحول بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بالخصوص 2014 میں نریندر مودی کی قیادت میں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ کوشش تیز ہوئی ہے۔ حالیہ مہینوں میں ہندو سادھوؤں کے کئی پروگراموں میں ہندوؤں سے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اپیل کی گئی اور بعض مقررین کی جانب سے مسلمانوں کی نسل کشی کی کال دی گئی۔ رواں ماہ کی دو تاریخ سے لے کر اب تک متعدد ریاستوں میں پرتشدد واقعات ہوئے ہیں۔ ہندوؤں کا الزام ہے کہ ان کے مذہبی تہواروں کے موقع پر نکالے جانے والے جلوسوں پر مسلمانوں کے پتھراؤ کی وجہ سے یہ واقعات ہوئے۔ جب کہ مسلمانوں کا الزام ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی جلوسوں کے دوران ہتھیاروں کی نمائش ہوتی ہے۔ جان بوجھ کر جلوس مسلم علاقوں سے گزارے جاتے ہیں اور مسجدوں کے باہر رک کر اشتعال انگیز نعرے لگائے جاتے جب کہ مساجد میں داخل ہونے اور وہاں زعفرانی پرچم لہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گزشتہ دنوں رام نومی کے جلوس کے دوران تقریباً ایک درجن ریاستوں میں پرتشدد واقعات ہوئے اور مسجدوں پر زعفرانی پرچم لہرانے کے واقعات پیش آئے۔ گرفتار شدگان میں ایک 21 سالہ شخص اسلم علی بھی شامل ہے جس کے بارے میں پولیس کا کہنا ہے کہ اسی نے گولی چلائی تھی اور اس کے پاس سے پستول برآمد کر لی گئی ہے۔

اس کے علاوہ شدت پسند ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں کے معاشی بائیکاٹ کی اپیل کے ساتھ لاؤڈ اسپیکر سے اذان اور حلال گوشت کی فروخت پر پابندی کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ ایک عدالتی حکم سے کرناٹک کے تعلیمی اداروں میں مسلم طالبات کے حجاب پہننے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ گزشتہ دنوں راجستھان کے کرولی، مدھیہ پردیش کے کھرگون اور دہلی کے جہانگیر پوری میں فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات ہوئے ہیں۔ کھرگون میں مقامی لوگوں نے دعویٰ کیا کہ انتظامیہ کی جانب سے مبینہ طور پر فساد کرنے کے الزام میں مسلمانوں کی کم از کم 50 دکانوں اور مکانوں کو بلڈوزر سے منہدم کیا گیا۔ پولیس کے مطابق یہ کارروائی ناجائز تجاوزات کو ہٹانے کے لیے کی گئی۔ دہلی کے جہانگیر پوری میں پولیس پر الزام ہے کہ اس نے یک طرفہ طور پر مسلمانوں کی گرفتاریاں کی ہیں۔ پولیس اس الزام کی تردید کرتی ہے۔ وہاں بھی تشدد کے بعد مبینہ ناجائز تجاوزات ہٹانے کی مہم شروع ہوئی جس پر فی الحال سپریم کورٹ نے پابندی عائد کر دی ہے۔ مبصرین کہتے ہیں کہ آر ایس ایس سے وابستہ افراد کا خیال ہے کہ بھارت کو ہندو اسٹیٹ بنانے کا وقت آگیا ہے اور یہ ساری سرگرمیاں اسی مقصد سے کی جارہی ہیں۔ تاہم حکومت کے بعض ذمہ داروں کا کہنا ہے کہ ملک میں آئین کی حکمرانی ہے اور حکومت آئین کے تحت چل رہی ہے۔

ستر برس سے دہلی میں رہائش پذیر 87 سالہ مودود صدیقی کہتے ہیں کہ انہوں نے اس سے قبل ایسے حالات کبھی نہیں دیکھے۔ وہ 17 سال کی عمر میں یوپی کے شہر امروہہ سے دہلی آئے تھے۔ وہ ان دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عوام نے بٹوارے کے بعد لگے فسادات کے زخموں کو بھلا دیا تھا اور وہ مل جل کر رہ رہے تھے۔ انہوں نے وائس آف امریکہ سے گفتگو میں کہا کہ پہلے مسلمان ہندوؤں کے تہواروں جیسے کہ دیوالی اور ہولی پر ان کو مبارک باد پیش کرتے تھے اور ہندو مسلمانوں کے گھروں میں مٹھائیاں تقسیم کیا کرتے تھے۔ دیوالی کے موقع پر چھوڑی جانے والی آتش بازی میں مسلمان بھی شریک ہوتے تھے۔

مختلف اخبارات و رسائل میں ادارتی و انتظامی فرائض انجام دینے والے مودود صدیقی کے بقول انہوں نے ساٹھ کی دہائی میں دیکھا تھا کہ عید الفطر کے موقع پر جب مسلمان جامع مسجد سے نماز عید ادا کر کے گیٹ سے باہر آتے تھے تو وہاں ہندو ہار لیے کھڑے ہوتے تھے جو مسلمانوں کے گلے میں ڈالے جاتے۔ اسی طرح یوم عاشورہ پر نکلنے والے جلوس میں ہندو سڑکوں کے کنارے شربت کی سبیلیں لگاتے اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت کرتے۔ پرانی دہلی کے رہائشی اور صحافی دویک شکلا جہاں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ حالات خراب ہوئے ہیں، وہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بھارت ایک بڑا ملک ہے۔ ضروری نہیں کہ یہاں ہمیشہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی رہے۔ ان کے بقول صرف بھارت ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں نفرت پر مبنی جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تعصب صرف ہندوؤں میں ہی نہیں بلکہ مسلمانوں میں بھی بڑھا ہے۔ چند سال قبل پرانی دہلی کے سیتا رام بازار میں واقع درگا مندر کو مسلمانوں نے توڑ دیا تھا۔ مودود صدیقی اس بات کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک طبقے میں بھی غیر مسلموں کے لیے متعصبانہ رجحان پیدا ہوا ہے۔ ممکن ہے اس کی وجہ حالات رہے ہوں۔

دویک شکلا اور مودود صدیقی دونوں کا کہنا ہے کہ یہ سب سیاست کی کارفرمائی ہے ورنہ سب مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ سماجی ماہرین کا خیال ہے کہ سیاست میں مجرمانہ اور مسلم مخالف ذہنیت کے لوگوں کی آمد کی وجہ سے بھی حالات بگڑے ہیں۔ اگر اس رجحان کو روکا گیا ہوتا تو شاید نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ مبصرین کے مطابق جب سے سیاست میں مذہب کا عمل دخل بڑھا ہے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچا ہے۔ ایودھیا کی بابری مسجد کا معاملہ ہو یا بنارس کی گیان واپی مسجد کا یا پھر متھرا کی شاہی عیدگاہ کا۔ ان عبادت گاہوں کے خلاف چلائی جانے والی مہم نے سماجی اتحاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ بی جے پی اور آر ایس ایس کی ذیلی تنظیموں کا دعویٰ ہے کہ ماضی میں مسلم حکمرانوں نے بہت سے مندروں کو منہدم کیا تھا، جن کو وہ واگزار کرانا چاہتے ہیں۔ جب کہ بعض تاریخ داں اس الزام کی تردید کرتے ہیں۔ سپریم کورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں ایودھیا کی بابری مسجد کی اراضی رام مندر کی تعمیر کے لیے ہندوؤں کو دے دی تھی اور مسلمانوں کو دوسرے مقام پر پانچ ایکڑ اراضی الاٹ کی ہے۔ سماجی ماہرین کا خیال ہے کہ 1980 کی دہائی میں شروع ہونے والی رام مندر تحریک نے ہندوؤں کے اندر رفتہ رفتہ مسلمانوں کے خلاف منافرت کا زہر بھرنا شروع کیا۔ کئی دہائیوں تک چلائی گئی مہم اب کامیاب ہو گئی ہے اور ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ مسلمانوں سے نفرت کرنے لگا ہے۔ مودود صدیقی کے مطابق قیامِ پاکستان کی آڑ میں بھی مسلمانوں کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ غیر مسلموں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ بھارت کا بٹوارہ مذہب کی بنیاد پر ہوا تھا اس لیے یہاں مسلمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

ادیبہ اور درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ڈاکٹر نعیمہ جعفری پاشا دو قسم کے تجربات سے گزری ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ان کے والد انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس میں (آئی اے ایس افسر) تھے اور وہ زیادہ تر راجستھان کے مختلف شہروں میں تعینات رہے۔ انہوں نے اپنا بچپن غیر مسلموں کے درمیان گزارا لیکن کبھی بھی انہیں کسی امتیازی رویے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ شادی کے بعد دہلی آگئیں اور درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ ہو گئیں۔ نعیمہ جعفری پاشا جب تک جنوبی دہلی کے مسلم اکثریتی علاقے جامعہ نگر میں رہیں، انہیں کسی ناخوشگوار واقعے کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ البتہ جب انہوں نے ہندو اکثریت والی کالونی سریتا وہار میں سکونت اختیار کی تو وہاں ان کو عدم تحفظ کا احساس ہوا۔ وائس آف امریکہ سے گفتگو میں وہ بتاتی ہیں کہ ان کے مرحوم شوہر باریش مسلمان تھے، اس لیے بہت سے رکشہ والے ہمیں اپنے رکشے میں بٹھانے سے انکار کر دیتے تھے اور یہاں تک کہتے تھے کہ ہمیں اپنا رکشہ گندا نہیں کرنا۔ اس سے قبل بھی دہلی میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ کبھی انہیں کرائے پر مکان دینے سے انکار کر دیا گیا تو کبھی ان پر دہشت گرد اور پاکستانی ہونے کا الزام عائد کیا گیا۔ نعیمہ جعفری پاشا اب غیر مسلم اکثریت والی ایک دوسری کالونی جسولہ فلیٹس میں مقیم ہیں تو وہاں بھی بقول ان کے، ان کو امتیازی رویے کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وہ بتاتی ہیں کہ ان کے مکان کے بالکل عقب میں غیر مسلموں کی اکثریت والی کالونی جسولہ گاؤں ہے۔ جب کہ وہیں قریب میں شاہین باغ میں شہریت کے ترمیمی قانون (سی اے اے) کے خلاف مسلم خواتین دھرنے پر بیٹھی تھیں، تو اس وقت ہندوؤں کے ایک طبقے کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف کافی اشتعال انگیزی کی جاتی تھی۔ اس وقت بھی انہیں عدم تحفظ کا احساس ہوا تھا اور انہوں نے اپنے مکان کی عقبی دیوار پر خاردار تاروں کی باڑ لگوائی تھی۔

بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ حالیہ اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کی کامیابی کے بعد شدت پسندوں کے حوصلے زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ نعیمہ پاشا اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ انتخابات کے بعد وہاں کا ماحول اور خراب ہوا ہے۔ نعیمہ جعفری کے مطابق رام مندر تحریک کی وجہ سے جو زہر دھیرے دھیرے ہندو سماج میں سرایت کر رہا تھا، وہ اب پوری طرح چڑھ گیا ہے۔ پہلے صرف ایک عبادت گاہ کا معاملہ تھا لیکن اب مسلمانوں کی شناخت کے تحفظ کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔

بعض لوگ اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں کہ رام مندر تحریک دراصل مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھی، جس کا فائدہ بی جے پی کو ہوا۔ دویک شکلا کے مطابق اگر 500 سال قبل کوئی مندر توڑا گیا تھا تو آج اس کو اچھالنے اور اس کی سزا غریب مسلمانوں کو دینے کا کیا جواز ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایسے متنازع معاملات کو اچھال کر اسلاموفوبیا کا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے۔

لیکن دویک شکلا اور مودود صدیقی دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح اس صورتِ حال سے مایوس نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر حکومت چاہے تو حالات بدل سکتے ہیں البتہ حکومت سیاسی مفاد پرستی کی خاطر شدت پسند ہندو تنظیموں کی سرگرمیوں کی سرپرستی کر رہی ہے۔ دویک شکلا مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دہلی کے کناٹ پلیس کے نزدیک کستوربا گاندھی مارگ پر عین سڑک کے درمیان ایک بڑی مسجد ہے جس کے امام مولانا عمیر الیاسی ان کے دوست ہیں۔ دو روز قبل انہوں نے نماز عصر کے بعد اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ وہاں جا کر ان سے ملاقات کی اور وہ وہاں افطار اور مغرب کی نماز کے بعد کافی دیر تک رہے۔ ان کے بقول مولانا عمیر الیاسی نے بتایا کہ وہاں آس پاس میں مسلمانوں کی آبادی 10 فی صد بھی نہیں ہے۔ افطار کے لیے مختلف قسم کے پھل، دودھ اور شربت سب ہندوؤں کے گھروں سے آتے ہیں۔ ان کے سامنے بھی کئی ہندو پھل لے کر آئے۔ لہٰذا مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حالیہ برسوں میں اتر پردیش میں کئی ایسے شہروں کے نام بدلے گئے ہیں جن سے مسلم شناخت کا اظہار ہوتا تھا۔ دوبارہ اقتدار میں واپس آنے کے بعد یوگی آدتیہ ناتھ کی حکومت نے 12 شہروں کے نام بدلنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا اعلان جلد ہی کیا جائے گا۔ شدت پسند ہندو تنظیموں کی جانب سے آگرہ کا نام بھی بدلنے کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ تاج محل دراصل ایک مندر تھا جس کا نام "تیجو محل" تھا۔ آگرہ کی سکندرہ بودلا روڈ پر واقع اِن اینڈ آوٹ ڈپارٹمنٹل اسٹور کے مالک محمد اقبال کہتے ہیں کہ آگرہ یا تاج محل کے ناموں کے بدلنے سے متعلق بیانات کا وہاں کے عوام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اس بات کو تو تسلیم کرتے ہیں کہ ملک کے موجودہ ماحول کا اثر آگرہ پر بھی کچھ نہ کچھ پڑا ہے لیکن اب بھی وہاں فرقہ وارانہ یگانگت کا ماحول ہے۔ ان کے مطابق ان کے اسٹور کے پاس غیر مسلموں کی آبادی ہے اور ان کے 90 فی صد گاہک ہندو ہیں۔ وہ باریش مسلمان ہیں اور اسٹور میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔ لیکن کبھی بھی کسی غیر مسلم نے ان کے کسی عمل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ مسلمانوں کے تہوار پر ہندو صارفین انہیں مبارک باد دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی ہندوؤں کے تہوار پر اپنے اسٹور میں رعایتی اسکیم چلاتے ہیں۔ مودود صدیقی بتاتے ہیں کہ آج سے تین چار دہائی قبل تک رمضان میں افطار کے وقت ہندوؤں کے گھروں سے بھی افطاری مسجدوں میں بھیجی جاتی تھی اور مغرب کی نماز کے بعد بہت سی ہندو خواتین بھی اپنے بچوں کو نمازیوں سے دعا کرانے کے لیے باہر کھڑی رہتی تھیں۔ لیکن اب یہ منظر دیکھنے کو نہیں ملتا۔ لیکن دویک شکلا کا کہنا ہے کہ اب بھی یہ صورتِ حال کسی حد تک موجود ہے۔

مودود صدیقی کہتے ہیں کہ شدت پسند ہندو تنظیموں کی جانب سے مسلمانوں کو دیوار سے لگانے اور بھارت کو ہندو اسٹیٹ بنانے کی کوشش تو کی جارہی ہے لیکن یہاں کے عوام کا جو مزاج ہے اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کوششیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ (بحوالہ وائس آف امریکہ)

Scanned with CamScanner

عید الفطر کا پیغام اور ہمارا معاشرہ

مولانا ندیم احمد انصاری

عید کا دن خوشی اور مسرت کا دن ہے، جس میں لوگ نئے اور عمدہ لباس زیب تن کرتے ہیں اور خوشبوئیں لگاتے ہیں، جس میں بڑے چھوٹے، جوان بوڑھے، مرد اور عورتیں، سب کا چہرا خوشیوں سے کھلا رہتا ہے اور اس دن مسلمان ایک دوسرے کو محبتوں کے ساتھ خوشیوں کی سوغات پیش کرتے ہیں لیکن سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کیا واقعی عید بس انھیں چند باتوں کے مجموعے کا نام ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اسلام تو غمی ہو یا خوشی، ہر موقع پر اپنے ماننے والوں کو ایک پیغام دیتا ہے، ہدایت کا ایسا نور دیتا ہے جس سے گمراہ راہ پا جاتے ہیں۔ آیئے ہم غور کریں کہ عید کی خوشیاں ہماری زندگی میں کیا پیغام لے کر آتی ہے اور ہم اس پیغام سے کس حد تک واقف ہیں اور ان پر کس حد تک عمل پیرا۔

عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ مسلمانوں کو خوشی اور مسرت کے لمحات میں بھی اللہ اور اس کے احکامات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، اسی لیے سال بھر میں سب سے زیادہ خوشی کے موقع یعنی عید پر بھی اسلام نے رقص وسرور، نغمہ ورباب، مستی وشراب، پٹاخوں اور آتش بازیوں کی اجازت نہیں دی بلکہ مسلمانوں کو اس دن اپنی خوشی کے اظہار کا سب سے بڑا طریقہ جو بتلایا گیا وہ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہونا، جس کا مقصد یہ تعلیم دینا ہے کہ خوشیوں کے وقت میں اتراتے پھرنا، ایمان والے کی شان کے موافق نہیں بلکہ اس کی جبینِ نیاز تو ہمیشہ خدا کے سامنے خم رہنی چاہیے۔

لفظ عید کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ دن؛ جس کے زندگی میں بار بار آنے کی تمنا کی جائے، اس طرح عید کے حقیقی معنی مسرت وانبساط کے ہیں۔ عید کو "عید" کہہ کر اس تمنا کا اظہار کیا جاتا ہے کہ یہ مبارک ومسعود دن ہماری زندگی میں بار بار آئے۔ عید الفطر میں "الفطر" کا لاحقہ اس بنا پر ہے کہ اس دن ایک ماہ کے بعد روزوں کا افطار کیا جاتا ہے اور صاحبِ نصاب فطرہ نکال کر غریبوں کو بھی اپنی خوشی میں شامل کرتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس دن خوشی اس بات کی نہیں منائی جاتی کہ آج روزوں سے چھٹکارا مل گیا بلکہ ایسا سمجھنا اور کہنا تو عین حماقت ہے، اس دن تو خوشی اس بات کی منائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رمضان المبارک میں اپنے احکامات کا جو خاص فریضہ عائد کیا تھا ہم نے اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل واحسان سے استطاعت بھر ادا کر کے انجام تک پہنچا دیا۔ دوسری وجہ اس خوشی کی یہ ہے کہ رمضان کے ان روزوں کے اختتام پر جو رات آتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کا محنتانہ دیتے ہیں جسے "**لیلۃ الجائزہ**" سے موسوم کیا جاتا ہے، اور تیسری وجہ اس خوشی کی یہ ہے کہ عید الفطر کے دن جب روزے دار عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو راستوں پر کھڑا کروا کر یہ منادی کرواتے ہیں کہ خوش خبری ہو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے رمضان کے احکامات کو بحسن وخوبی انجام دیا آج میں نے تمھاری ان نیکیوں کے بدلے میں تم سب کو معاف کر دیا ہے، اب عید کی نماز ادا کر کے خوش وخرم، بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ!

عید الفطر دردِ دل کا پیغام بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس میں معاشرتی اور سماجی فلاح کے پیش نظر آسودہ حال مسلمانوں کا پورا خیال رکھا گیا ہے اور مسلمانوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ تم اپنی خوشیوں کے موقع پر ان غریبوں کو ہرگز فراموش نہ کر دینا جو کہ تمھارے آس پاس رہتے ہیں؛ بلکہ اپنی نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے پہلے تم فطرے کی شکل میں انھیں عیدی دیتے ہوئے جاؤ تاکہ وہ بھی عید کی خوشیاں منا سکیں۔ اپنے لیے تو ہر انسان جیتا ہے لیکن جو محمدی ہونے کا دعوے دار ہے، اسے دوسروں کا بھی خیال رکھنا لازمی ہے۔ ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: "عید کے دن غریبوں کو خوشحال اور غنی کرو" نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "روزوں کی عبادت اس وقت تک زمین وآسمان میں معلق رہتی ہے اور بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبول حاصل نہیں کرتی، جب تک صاحبِ نصاب شخص فطرہ ادا نہ کر دے"، اسلام میں عید صرف ایک رسمی تہوار نہیں؛ بلکہ سراپا عبادت ہے، جیسا کہ متذکرہ تفصیلات سے عیاں ہے کہ غریبوں ومحتاجوں کی خوشیوں کا سامان فراہم کرنا عید کا حقیقی مقصد ہے۔

ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید ادا کر کے لوٹ رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ بہت سے بچے عید کی خوشیاں منانے میں مشغول ہیں؛ لیکن ایک بچہ مغموم سا الگ تھلگ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا کہ بیٹے تم کیوں رو رہے ہو؟ اس لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا، میرے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں ہے! اس بچے کے اس جواب کو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے والدین بھی میرے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ محمدِ عربی تمھارا سرپرست ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے ساتھ گھر لے آئے اور اسے عمدہ لباس پہنایا۔ وہ بچہ جب عمدہ کپڑے پہن کر باہر نکلا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ آج سے میرے سرپرست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہمیں بھی یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور مسکینوں کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے اور سچ بات تو یہ ہے کہ اس کے بغیر عید کا حقیقی مقصد ہمیں حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

شیخ عبد القادر جیلانی عید کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

☆ عید ان کی نہیں جنھوں نے عمدہ لباس سے اپنے آپ کو زیب تن کر لیا بلکہ حقیقی عید تو ان کی ہے جو خدا کی وعید اور پکڑ سے ڈر گئے۔ ☆ عید ان کی نہیں جنھوں نے عطر وخوشبوؤں کا استعمال کیا بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور اس توبہ پر قائم رہے۔ ☆ عید ان کی نہیں جنھوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھائیں اور بہت سے پکوان بنائے؛ بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے بقدرِ استطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور نیکی کی راہ پر گامزن ہوئے۔ ☆ عید ان کی نہیں جو آفاق میں گم ہو گئے بلکہ عید تو ان کی ہے جن میں آفاق گم ہو گئے۔ ☆ عید ان کی نہیں جو بندۂ آفاق بن گئے بلکہ عید تو ان کی ہے جو خود صاحبِ آفاق بن گئے اور تقویٰ کی روش اختیار کی۔ ☆ عید ان کی نہیں جنھوں نے چمکتی دمکتی سواریوں میں سفر کیا بلکہ عید تو ان کی ہے جنھوں نے گناہوں کو ترک کرنا اپنا شیوہ بنالیا۔ ☆ عید ان کی نہیں جنھوں نے اپنے مکانوں کی آرائش وزیبائش کی؛ بلکہ عید تو ان کی ہے جو دوزخ کے پل سے خیر وعافیت کے ساتھ گزر گئے۔ ☆ عید میں مسلمانوں کی اجتماعیت اور وحدت کا پیغام بھی پنہاں ہے کہ اس موقع پر مال دار، غریب، آقا، غلام، گورا، کالا، عربی اور عجمی خواہ کوئی ہو، سب ایک ساتھ شانہ بہ شانہ بارگاہِ ایزدی میں دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ بقول اقبال؛

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

یہ تو ہیں عید الفطر کے اصل پیغامات، جن کو سمجھنا اور پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہم سب کی ذمے داری ہے لیکن ان سب کے ساتھ ہمیں حقائق سے بھی آنکھیں ملانی ہوں گی اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج ہماری قوم میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عید کے ان حقیقی پیغامات کو فراموش کر چکے ہیں، ان کے نزدیک عمدہ لباس زیب تن کر لینا، بہترین عطر لگا لینا، واجب مقدار میں تھوڑا سا فطرہ ادا کر دینا اور اپنی آل واولاد میں عیدی کا لین دین کر لینا، جس گھر سے ہمارے گھر میں ایک پیالی آ جائے، اس گھر میں ایک پیالی پہنچا دینا اور پھر زور شور سے پہلے ٹھیک ٹھاک اشعار اور پھر فحش گانے باجے زور وشور سے بجا کر آس پڑوس والوں کو دِق کرنا، شام کے وقت میں کسی تفریح کے مقام پر سیر سپاٹے کے لیے نکل جانا یا کسی ریسٹورنٹ میں دوستوں یا اہلِ خانہ کے ساتھ پہنچ جانا۔۔۔ یہی ہماری ہر عید کا معمول بن کر رہ گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ کسی کو اس رویے میں کوئی خرابی بھی نظر نہیں آتی بلکہ "رمضان کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے" ان سب باتوں کو بالکل مباح سمجھا جاتا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس طرح ہم تیس دنوں کی کری کرائی محنت پر ایک دن میں پانی پھیر دیتے ہیں، یہ اس لیے ہے کہ شیطان نے اپنے رب سے انسان کو بہکانے کا جو وعدہ کر رکھا ہے، وہ اسے نہیں بھولا اور ہم نے جو اللہ کی اطاعت کا وعدہ عالمِ ارواح میں کیا تھا، ہم وہ بھول گئے اور ہمارا معاشرہ حساس اور دردمند دل رکھنے والے افراد سے خالی ہو گیا، اب معاشرے میں یا تو وہ لوگ نظر آتے ہیں جنھیں دین واحکامِ دین سے سروکار نہیں یا وہ جو رسمی چیزیں اپنے طور پر کر لینے کو کافی سمجھ لیتے ہیں، یہ جو نکتہ یہاں بیان کیا گیا، اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن چوں کہ ہمیں مضمون کو بھی سمیٹنا ہے اس لیے اس دعوت پر اپنی بات کو ختم کرتے ہیں کہ اسلام اور احکامِ اسلام کو پورے دل سے مانیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ہر ممکن کوشش کریں اور نیک اعمال کر لینے کے بعد شیطان کے بہکاوے میں آ کر ان کو برباد کرنے سے احتراز کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور عید کی حقیقی خوشیوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

سیاست کے کھیل نرالے ہوتے ہیں

مراق مرزا

ہمارے ملک کے سیاسی دنگل میں نفرت اور بغض وعناد کی زمینیں تیار کر کے فرقہ واریت کے زہر آلود ہتھیار سے تباہ کن حملے کیے جاتے ہیں، انسانی بستیاں نذرِ آتش کی جاتی ہیں، سڑکوں اور گلیوں میں لاشیں گرا کر خون آشام تماشے دکھائے جاتے ہیں، یہ حقیقت اب عوام الناس پر بھی واضح ہو چکی ہے کہ سیاست داں اپنے ذاتی مفادات واغراض ومقاصد کو اہمیت واولیت دیتے ہیں، عوام کی بھلائی کی بات ان کی ترجیحات کی فہرست میں سب نیچے ہوتی ہے، عوام کا گھر جلتا ہے تو جلے، لہو بہتا ہے تو بہے، لوگ بھوک سے مرتے ہیں تو مریں، ظلم بڑھتا ہے تو بڑھے، خواتین کے ساتھ زیادتیاں ہوتی ہیں تو ہوتی رہیں، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارے ملک کی سیاست عالمی سیاست سے قدرے مختلف ہے، ہمارے سیاست داں اپنے سیاسی ہتھکنڈوں سے دو ملکوں کو میدان جنگ میں نہیں اتارتے بلکہ وہ اپنے ہی دیش کے عوام کو مذہبی منافرت کا افیم کھلا کر ایک دوسرے سے لڑواتے ہیں، یہ کھیل ملک کی آزادی سے قبل بھی جاری تھا اور آج بھی جاری ہے، حال ہی میں کرناٹک میں حجاب پر تنازع کھڑا ہو گیا تھا اور اس تنازع کو اتنی ہو دی گئی تھی کہ اس کی چنگاری متعدد صوبوں اور شہروں تک پھیل گئی تھی، کرناٹک میں حجاب تنازع کیوں اور کیسے کھڑا ہوا، اس کے پس پشت کون سی طاقتیں تھیں، کون کون سے عوامل کارفرما تھے؟ میرا خیال ہے کہ یہ باتیں یا سوال صراحت طلب نہیں ہیں، آج میڈیا اور سوشل میڈیا کا زمانہ ہے، کسی بھی تنازع سے جڑے حقائق کے تمام پہلوؤں میں نہ صرف پورے ملک میں بلکہ پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔ سیاست کے کھیل نے اس معاملے کو عدالت تک پہنچا دیا تھا اور کرناٹک ہائی کورٹ نے اس پر پرلطف فیصلہ سناتے ہوئے کہا: چونکہ خواتین کے لئے حجاب پہننا اسلام کے بنیادی ارکان کا لازمی رکن نہیں ہے، چنانچہ اسکول یا کالج انتظامیہ اس پر پابندی چاہتی ہے تو اس کا یہ مطالبہ اپنی جگہ صحیح ہے۔ اس عدالتی فیصلے کے آنے کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں کئی سوال کھڑے ہو گئے ہیں، مثلاً: کیا عدالت کو کسی مذہب کے اصول وعقائد یا قواعد وضوابط میں مداخلت کرنے یا اس سے متعلق کوئی فیصلہ سنانے کا اختیار ہے؟ کیا 'رائٹ ٹو چوائس' کے تحت ملک کے آئین ہمیں اپنی پسند کے کپڑے پہننے یا اپنی پسند کے کھانے پینے کی اشیاء استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا؟ کسی دھارمک وشواس سے زیادہ حجاب تو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا حصہ ہے، اسے مذہب کے نظریے سے دیکھنا حماقت ہے، ہمارے ملک میں حجاب کا رواج الگ الگ شکلوں میں صدیوں سے موجود ہے، عیسائی مذہب کی راہبہ جو سر پر اسکارف پہنتی ہیں، وہ بھی ایک طرح کا حجاب ہی ہے اور جین دھرم کی سادھوی بھی اپنی سفید ساڑی کا پلو سر پر رکھتی ہیں، اس کے علاوہ منہ اور ناک یعنی چہرے کا آدھا حصہ ایک سفید ماسک نما پٹی سے ڈھکتی ہیں، کیا یہ حجاب نہیں ہے؟ بہار، یوپی اور راجستھان میں بہت سی عورتیں گھونگھٹ کرتی ہیں۔ حجاب دراصل ہماری گنگا جمنی تہذیب کا روشن عنصر ہے۔

حجاب کے تعلق سے ایک دلچسپ واقعہ یاد آ رہا ہے اور یہ واقعہ ممبئی کا ہے، کیا ممبئی میں بھی کوئی ہندو خاتون گھونگھٹ کر سکتی ہے؟ میں ممبئی کے یاری روڈ علاقے میں رہتا ہوں۔ یہ ایک پوش کولیٹی ہے جو کہ جوہو کے کافی قریب ہے، ایک شام میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تو ایک خاتون کو اپنی شریک حیات کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر چونک گیا، چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اجنبی خاتون گھونگھٹ تانے بیٹھی تھی، میں کچھ بات کیے بغیر اپنے بیڈ روم میں چلا گیا، کچھ دیر بعد وہ خاتون چلی گئی تو میں نے شریک حیات سے پوچھا کہ وہ خاتون کون تھی؟ انہوں نے بتایا کہ وہ راج کمل جی کی بہو تھی، راج کمل جی معروف موسیقار تھے، جنہوں نے فلمساز ہدایت کار بی آر چوپڑہ کے بے حد مقبول سیریل 'مہابھارت' کے لئے موسیقی ترتیب دی تھی (بقیہ: صفحہ ۱۳ پر)

Scanned with CamScanner

سوال مسلمانوں کو نہیں، ملک کو بچانے کا ہے!

پروفیسر اختر الواسع

ہندوستان میں مختلف جگہوں پر جس طرح مسلم مخالف بیانات دیے جارہے ہیں اور اب تو انتہا یہ ہے کہ جس بادسموم کے جھونکوں کی شروعات کبھی ہری دوار، رائے پور، وندھیا چل اور پریاگ راج سے ہوئی تھی وہ ایک بار پھر دہلی میں براڑی نامی جگہ پر جھکڑ کی صورت میں چلتے ہوئے دیکھے گئے جس میں سُدرشن ٹی وی چینل کا سربراہ مہمان خصوصی تھا اور یتی نرسمہانند نے اس موقع پر جو کچھ کہا وہ انتہائی مضحکہ خیز تھا، اس نے تو یہ پیشین گوئی کردی کہ کچھ دہائیوں کے بعد ہندوستان میں مسلمان وزیر اعظم ہوسکتا ہے اور اس کے نتیجے میں چالیس سے پچاس فیصد ہندو مار دیے جائیں گے، اس لئے ہندوؤں کو ابھی سے ہتھیار اٹھالینا چاہئے۔ یہ بیان کس قدر اشتعال انگیز ہے، حقائق کے خلاف ہے، مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو ورغلانے کی کوشش ہے، اس میں تو کسی کو شک ہو ہی نہیں سکتا لیکن اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایسا اجتماع پولیس کی اجازت کے بغیر ہوا، سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں کر ہوسکا اور اگر پولیس کی اجازت نہیں لی گئی تو پھر پولیس کی موجودگی میں اس طرح کی زہرافشانی کی اجازت کیوں دی گئی؟ اس میں کئی صحافیوں کو پریشان کیا گیا، ہراساں کیا گیا، انتہا یہ کہ زدوکوب کیا گیا اور کسی طرح وہاں موجود پولیس نے ان کی جان بچائی، ان میں ایک غیر مسلم خاتون صحافی بھی تھیں، سوال یہ ہے کہ دہلی جو ملک کی راجدھانی ہے، جس کی پولیس اور نظم ونسق کی ساری ذمہ داریں ایل جی کے توسط سے مرکزی وزارت داخلہ کے پاس ہیں، وہاں ایسا کیوں کر ہوا؟ کیا وزارت داخلہ نے اس کا کوئی نوٹس لیا؟ اور اگر نوٹس نہیں لیا تو کیوں نہیں لیا اور کب لے گی؟

آج کل فرقہ پرستی کے فروغ میں کرناٹک سب سے آگے ہے لیکن یہ وبا عناد و فساد اور نفرت مسلمانوں کے خلاف وہیں نہیں بلکہ جن جن ریاستوں میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت ہے وہاں اے بی وی پی، بجرنگ دل اور انتہا پسند ہندوؤں کی دیگر تنظیمیں مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے اور انہیں ہراساں کرنے میں پوری طرح مصروف ہیں، مسلمان ہیں کہ بے چارے صبر وتحمل سے کام لے رہے ہیں اور انہیں ایسا ہی کرنا بھی چاہئے۔ صبر وتحمل بزدلی نہیں ہے بلکہ احترام انسانیت اور قانون کی پاسداری کا نام ہے۔ لونی (اترپردیش) سے لے کر کرناٹک تک گوشت کی دکانیں لگانے کے بارے میں ایک منفی رویہ اور بیانات آئے دن دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ کرناٹک میں یہ سب کچھ شری یدی یورپا جو کہ جنوبی ہندوستان اور خاص کر کرناٹک میں بی جے پی کے معمار ہیں، انہیں اقتدار سے بے دخل کرنے کے بعد دیکھنے اور سننے کو مل رہا ہے۔ موجودہ وزیر اعلیٰ جو کہ شری یدی یورپا کے جانشین بھی ہیں اور ان کے آشیرواد سے وزیر اعلیٰ کی کرسی پر براجمان ہیں، ایک ایسے باپ کے بیٹے ہیں جو خود کرناٹک کا وزیر اعلیٰ رہا، ملک کا وزیر تعلیم بنا یعنی شری ایس آر بومئی، موجودہ وزیر اعلیٰ خود بھی اپنے والد کی طرح کل تک سیکولر جمہوریت کے محافظوں میں شمار کیے جاتے تھے لیکن آج کرسی کی محبت میں وہ حلال گوشت ہو یا حجاب کا مسئلہ یا شیر میسور ٹیپو سلطان کی حب الوطنی اور اپنے وطن کے تمام رہنے والوں کے لئے اس کی محبت پر شک وشبہ کا ماحول پیدا کرنا سب پر ایک تکلیف دہ حد تک یوٹرن لے کر فرقہ پرستوں، قسطائیوں اور مسلم دشمن عناصر کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں کیسی شرمناک بات ہے کہ ایک وزیر اعلیٰ یہ کہے کہ چونکہ حلال گوشت کے بارے میں سنگین شکایتیں دستیاب ہوتی ہیں، اس لئے ان کی تحقیقات ضروری طور پر کی جائے گی، جس کی حکومت میں سرکاری حکم نامہ جاری ہوتا ہے کہ جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے ان کو بے ہوش کرنا لازمی ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ذبح کرنے سے پہلے جانور کو بے ہوش کرنے سے کیا فرق واضح ہوگا؟ اگر کوئی جانور بے ہوشی کے اس عمل سے گزرتے وقت مرجاتا ہے تو کیا سرکار کا ذبیحے کے لئے اس جانور کو خریدنے والے غریب کو اس کی قیمت ادا کرے گی؟ دوسری بات یہ کہ صدیوں سے خود کرناٹک سمیت سارے ملک میں ذبیحے کا یہ طریقے رائج ہے، حلال گوشت دکانوں پر مل رہا ہے، کھایا جارہا ہے، ایکسپورٹ کیا جارہا ہے اور اس سے ملک وقیع تعداد میں زر مبادلہ کمارہا ہے، جس سے ملک تمول اور ثروت کی نئی بلندیوں کو چھورہا ہے، آج کچھ لوگوں کی مسلمان دشمنی کے نتیجے میں گھاٹے کا یہ سودا کرنے کو تیار ہیں؟

کرناٹک میں بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو فرقہ واریت کا یہ ننگا ناچ کچھ خاص اضلاع تک محدود ہے اور اس کے لئے ایک مخصوص مٹھی بھر فسطائی عناصر ہی ذمہ دار ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو مندروں کے اردگرد جن میلوں کا انعقاد ہوتا ہے، ان میں مسلمان دکاندار ہمیشہ کی طرح اب دکان نہ لگائیں، یہ فرمان جاری کرنے والے کون ہیں؟ اور افسوس یہ ہے کہ ان مٹھی بھر لوگوں کی مانگوں کو سرکار بھی سرتھن دے رہی ہے، ورنہ ہندو مسلم اتحاد اور سماجی ہم آہنگی کو بنائے رکھنے کے لئے ایسے لوگوں کو فوراً جیل میں ڈال دینا چاہئے تھا۔ مسلمانوں کے سماجی اور معاشی مقاطعے کی جتنی آوازیں اٹھیں، ان کے بچے اور بچیوں کی تعلیم میں رخنہ ڈالنے کی کتنی کوششیں ہوں، مسلمانوں کو اس کا جواب اپنے مخالفوں کے انداز میں نہیں دینا چاہئے کہ شجاعت اور حماقت کی سرحدوں کے درمیان بہت کم فاصلہ ہوتا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے لیکن یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ کون سا لوہا کون سے لوہے کو کاٹتا ہے۔ ٹھنڈے لوہا ہی ہمیشہ گرم لوہے کو کاٹتا ہے۔ گرم لوہا جب بھی ٹھنڈا لوہے سے ٹکراتا ہے اپنی شکل وصورت کو مسخ کرلیتا ہے۔

یہاں یہ سوال فطری طور پر کیا جاسکتا ہے کہ پھر مسلمان کیا کریں؟ اس کا سیدھا سادا اور سچا حل یہ ہے کہ ہماری مسلم قیادت جو کرناٹک میں خاصی مضبوط ہے، دانشمند اور حوصلہ مند بھی، وہ لنگایت اور دوکالگا سمیت ہندو اکثریت کے تمام فرقوں کے مذہبی لیڈروں کے ساتھ رابطہ بنائے، اپنے مسائل، مصائب، دکھ سے انہیں واقف کرائے، اپنے خلاف ہونے والی کوششوں اور سازشوں کو ان کے سامنے عام کرے اور پھر ایک چوٹی کانفرنس کا انعقاد کرے، کیونکہ سیاسی آلودگی جس فرقہ ورانہ منافرت اور مغائرت کو پیدا کررہی ہے، اس کو مذہب کے امرت کے ذریعے ہی ناکام بنایا جاسکتا ہے اور اس کے لیے ہمیں کرناٹک، کیرالہ، تمل ناڈو اور دیگر ریاستوں کے دھرم گردؤں کے ساتھ مل کر ایک متحدہ محاذ بنانا ہوگا۔

ہم یہ بات واضح کہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم جس دور اور دنیا میں جی رہے ہیں، اس میں اب کسی فرقے کی نسل کشی یا اس کے مذہب اور زبان کا خاتمہ ممکن ہی نہیں ہے بلکہ وہ لوگ جو اس طرح کی باتیں کررہے ہیں، زبان بول رہے ہیں، کشمکش، کشائش اور عناد وفساد کو پھیلارہے ہیں، وہ مسلمانوں سے زیادہ ہندوستان کے دشمن ہیں، اس لیے کہ وہ سب ایک ایسے وقت میں کہہ رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں جب ہندوستان دنیا میں وشوگرو بننا چاہتا ہے، جب صنعت وحرفت کے میدان میں وہ دنیا میں نئی بلندیوں کو چھونا چاہتا ہے، جب وہ دنیا میں ایک دفعہ پھر ہندوستان جنت نشان کے طور پر پہچانا جانا چاہتا ہے، دراصل اس کا ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ اس وقت سوال مسلمانوں کو بچانے کا نہیں بلکہ ہندوستان کو بچانے کا ہے، کیونکہ مسلمانوں کا ان حالات میں بھی یہ کہنا اور سوچنا ہے کہ:

گو تھا زینت بوستاں، پھر بھی جلایا میرا گھر — مجھ کو پھرایا کو بہ کو، صحرا بہ صحرا در بہ در
میں بھی اس کے جلانے میں رکھوں گا کیا کوئی کسر — اب آشیاں بناؤں گا چمن کی ہر ایک شاخ پر
میری خاطر باغباں کیا سارا چمن جلائے گا؟

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں، ایک گھر بنانے میں

شکیل رشید

ایک گھر کا بنانا آسان نہیں ہے، میں یہ بات اپنے تجربات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں، کہ ہنوز کوئی کمرہ میرے پاس ایسا نہیں ہے جسے میں اپنا مکمل گھر کہہ سکوں، والدہ مرحومہ نے ایک گھر بڑی مشکل سے، پیسے جوڑ جوڑ کر بنایا، وہ بھی وطن میں ہے، ممبئی میں میرے کسی کام نہیں آسکتا، لیکن اس میں رہوں نہ رہوں، اسے کسی حد تک اپنا گھر کہہ سکتا ہوں، اس سے ایک لگاؤ ہے، یہ لگاؤ اس لئے ہے کہ اس کے بنانے میں جو مشکلات پیش آئیں، وہ دیکھی اور جھیلی ہوئی ہیں، ایک دفعہ خبر آئی کہ گھر کے کسی کمرے میں آگ لگ گئی ہے، میں تڑپ اٹھا تھا، اور یہ معاملہ صرف میرا نہیں ہے، اس ملک میں نہ جانے کتنے لوگ ہیں، جنہوں نے تنکے جوڑ جوڑ کر اپنے آشیانے بنائے ہیں، تکلیفیں، مشکلات اور پریشانیاں جھیلی ہیں، ان لوگوں میں مدھیہ پردیش کے کھرگون کے وہ مسلمان بھی ہیں جن کے گھروں کو بلڈوزر سے ڈھادیا گیا ہے اور گجرات واترپردیش کے وہ مسلمان بھی ہیں جن کے گھروں پر بڑی ہی بے حسی کے ساتھ بلڈوزر چڑھادئے گئے ہیں۔ جنہوں نے بلڈوزر چلوائے، وہ آج کے دور کے حکمراں ہیں، یوگی آدیہ ناتھ، شیوراج چوہان، نروتم مشرا، بھوپیندر بھائی پٹیل اور وزیر اعظم نریندر مودی و مرکزی وزیر داخلہ امیت شاہ، یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زمین ان کی ملکیت ہے اور وہ جب چاہیں جیسے چاہیں، ویسے اس زمین کا استعمال کرسکتے ہیں اور اس زمین پر رہنے والے غریبوں، مجبوروں و بے کسوں کی زندگیوں سے کھیل سکتے ہیں۔ یہ کھیل ہی تو ہے، انتہائی ظالمانہ اور بے رحمانہ کھیل کہ بسے بسائے گھروں پر بلڈوزر چلوائے جائیں، قدیم دور میں لوگوں کو ہاتھیوں کے پیروں تلے روند دیا جاتا تھا، گھوڑوں کے سموں سے جسموں کو گودوایا جاتا تھا یہ بادشاہوں کی تفریح کا کھیل تھا، آج یہ کھیل مسلمانوں کے ساتھ کھیلا جارہا ہے، بس ہاتھیوں اور گھوڑوں کی جگہ بلڈوزر نے لے لی ہے، یہ کھیل کھیلنے والے اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ وہ بادشاہ، جو یہ ظالمانہ کھیل کھیلا کرتے تھے باقی نہیں رہے، ہاں! مگر غریب عوام آج بھی باقی ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گے، ایم پی میں جب وزیر داخلہ نروتم مشرا سے کوئی پوچھتا ہے کہ انہوں نے کیوں ایسا کیا؟ تو بڑی ہی نخوت اور گھمنڈ سے وہ کہتے ہیں پتھر چلانے والوں کے گھر پتھر میں بدل دیں گے، کیا آج کوئی یہ تصور کرسکتا ہے کہ مسلمان اپنے گھروں سے رام نومی کے یا کسی اور موقع کے جلوس پر، پتھراؤ کریں گے؟ یہ ناممکن ہے لیکن جھوٹ بولا جارہا ہے اور جھوٹ بولتے ہوئے شرم انہیں نہیں آتی، دوسرا سوال یہ کہ کیوں کہ بغیر کسی نوٹس کے، کسی تحقیق کے اور تفتیش کے کسی کے گھر منہدم کروائے جاسکتے ہیں؟ تو جواب ہوتا ہے کہ یہ فسادی ہیں، آئین نے تو اس ملک میں فسادیوں کے کیا قاتلوں کے گھروں کو بھی منہدم کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اجازت ہوتی تو گاندھی کے قاتل گوڈسے کا گھر پہلے ڈھایا جاتا، گجرات میں ۲۰۰۲ء کے مسلم کش فسادات مجرموں کے مکانوں پر پہلے دلڈوزر چلائے جاتے، مگر کسی کے بھی مکان کو ڈھانا نہ تو قانوناً درست ہے اور نہ ہی ایسا کسی بھی حکومت نے کیا ہے۔ یہ جرم ہے اور آج اس جرم میں سارے ہندوستان کی فاشسٹ طاقتیں ملوث ہیں، مسلمانوں کے گھر پہلے فسادی لوٹتے، توڑتے اور تباہ وبرباد کرتے تھے اب یہ کام بی جے پی حکومتیں کرنے لگی ہیں۔ ابھی ابھی ایم پی کے وزیر اعلیٰ شیوراج سنگھ چوہان کا بیان پڑھا کہ جو گھر تباہ ہوئے ہیں حکومت ان کے بنوانے میں تعاون کرے گی اور اس کے پیسے فسادیوں سے وصولے گی، یہ مکانات جنہیں بنوانے کی بات کی جارہی ہے، مسلمانوں کے نہیں ان کے ہیں جو اصلی فسادی ہیں یعنی مظلوم، اور پیسے جن سے وصولے جائیں گے، جو اصلی فسادی ہیں اور پیسے جن سے وصولے جائیں وہ مسلماں ہیں یعنی مظلوم، تو اب اس ملک میں لفظوں کے معنی تبدیل کردیے گئے ہیں، مسلمان کا مطلب فسادی اور فسادی کا مطلب مظلوم ہوگیا ہے۔

Scanned with CamScanner

تعلیم بالغان: تقاضے اور عملی جہتیں

مفتی عین الحق امینی قاسمی

تعلیم بالغان سے مراد ہے کہ وہ لوگ جو اپنی کسی مجبوری یا اپنے مثبت و منفی ذہن کی وجہ سے وقت پر بنیادی علم حاصل نہیں کر سکے، ایسے بالغ افراد کے حق میں تعلیم و تدریس کا ایک نظام اور طریقہ کار ایسا ہو، جس سے جڑ کر ٹولہ محلہ کے بالغ مرد و عورت فیض یاب ہو سکیں، حالاں کہ یہ سلسلہ قدیم ضرور ہے، مگر معیوب نہیں ہے، جب ہم ابتدائے اسلام میں مقام صفہ پر تعلیم و تدریس کے منظر نامے کو پڑھتے ہیں تو وہاں ہمیں ایک سے بڑھ کر ایک سرمایہ دار اور عزت دار لوگ علم کے حصول میں مشغول نظر آتے ہیں، مدینے کے اندر دار ارقم کے حصوں میں مرد و خواتین کی ایک معتد بہ تعداد موجود ملتی ہے، ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے دور خلافت سے لے کر حضرات تابعین، تبع تابعین اور پھر بعد کے دور میں تعلیم بالغان کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں تاہنوز ہمیں نظر آتا ہے، حال کے عصری منظر نامے پر اگر نگاہ ڈالیں تو وہاں تعلیم بالغان باعث افتخار و اعزاز سمجھا جاتا ہے، دیکھا جا رہا ہے کہ جو جتنا پڑھ رہا ہے، ڈگری و سند کے ساتھ وہ اتنا ہی آگے بڑھ رہا ہے اور بلند ترین مقام حاصل کر رہا ہے، وہاں نہ کوئی عار ہے اور نہ رکاوٹ، بلکہ مشاہدہ ہے کہ عصری میدانوں میں ملازمت اور دوسرے شعبوں میں مصروف رہ کر لوگ ایک ساتھ متعدد کورسیز کر رہے ہیں۔ سچ کہا گیا ہے کہ سیکھنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی یعنی علم ایک ایسا سرمایہ ہے، جس کی ضرورت ہر دور، ہر عمر میں ہر فرد کو پڑتی ہے؛ البتہ جس میں جتنی سیکھنے کی چاہت ہوتی ہے، اُسی کے بقدر علم اُس کے نصیبے کا حصہ بنتا ہے، تعلیم بالغان، سماجی ترقی اور معاشرے کو خواندہ بنانے کا ایک اہم مشن رہا ہے۔ حالیہ دنوں میں اُس کے تقاضے کئی جہتوں سے سامنے آئے ہیں، ضرورت ہے کہ سماج کے اُن بالغ افراد کے بیچ تعلیم بالغان کی ضرورت اہمیت اور حل کو سامنے لایا جائے، جو کسی وجہ سے ابتک بنیادی تعلیم سے محروم ہیں، اپنا ذاتی احساس یہ ہے کہ اگر اُس کے تقاضوں کی نشاندہی اور عملی جہتوں کی تعیین ہوتی ہے تو معاشرے کی بہت بڑی علمی کمی کو دور کیا جا سکتا ہے اور سماج میں موجود مرد و خواتین کا ایک بڑا طبقہ اِس مشن تعلیم بالغان سے مستفید ہو کر، گھر، خاندان اور سماجی خوشحالی کا مضبوط حصہ بھی بن سکتا ہے۔ جہاں تک دینی تقاضوں کی بات ہے تو یہ ہر مسلمان جانتا سمجھتا ہے کہ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے، وہ کتاب ہدایت ہے، اس کو پڑھنے سیکھنا ہر مسلمان کی اولین ضرورت ہے، اس کے بغیر ایک مومن کا قلب ویران ہے، قلب مومن کو ویرانیت سے بچانے اور اللہ کی خوشنودی پانے کے لئے قرآن کریم کو سیکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان کے اوپر لازم ہے۔ اِسی طرح ہم مسلمان ہیں، مگر دین اسلام کی ہمیں صحیح جانکاری نہیں ہے، ہم مسلمان ہیں، مگر ہم اسلام کو نہیں جانتے، ارکان اسلام، جو اسلام کی بنیاد ہے، اس کا جاننا اور اُن بنیادوں کے تقاضوں کو حسب استطاعت عملاً پورا کرنا فرض ہے، اسلام کی حلال و حرام کردہ چیزوں کے بارے میں اتنا جاننا جس سے کہ ہم حلال کو اختیار کر سکیں اور حرام سے خود کو بچا سکیں، ہمارے لئے یہ بھی لازم ہے کہ دین کے فرائض و واجبات، اوامر و نواہی کو ہم جانیں، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آل نبی اور خلفاء راشدین کی سیرت و سنت وغیرہ کو جانیں اور سمجھیں، اس پر عمل کرنے والے بنیں، دنیاوی تقاضوں کی اگر بات کریں تو یوں سمجھئے کہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں، اُس کے بھی ہمارے اوپر حقوق ہیں، اُن حقوق کی جانکاری اور پوری طرح بجا آوری تب ممکن ہے جب ہم سماجی تقاضوں سے واقف ہوں گے اور سماجی تقاضوں کی جان کاری بغیر علم مدنیت کے ممکن نہیں ہے، اس لئے اپنے آپ کو نافع بنانے کے ساتھ ہی گھر، خاندان اور سماج کو مضبوط و خوشحال بنانے کے لئے ہر فرد کو بنیادی علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

تعلیم بالغان کے کام کو منظم اور پلاننگ وے میں کرنے کی سخت ضرورت ہے، تاکہ ملت اسلامیہ اپنے مقاصد و اہداف پر توجہ مرکوز کر کے منزل کو پانے میں سرگرداں رہ سکے۔ بھارتی مسلمان اذیت ناک کرب میں مبتلا ہے، مسلمانوں کے دین و ایمان کے خلاف زبردست محنت اور پلاننگ چل رہی ہے؛ تاکہ انہیں ارتداد کا شکار بنایا جا سکے، ہمارے پاس خود کفیل مکاتب کا کوئی نظام نہیں ہے، دور دور تک کوئی اردو لائبریری نہیں ہے، کوئی ڈھنگ کا اپنا معیاری اسکول نہیں ہے، گاؤں محلے میں بچے بچیوں کی اخلاقی حالت دن بدن بگڑتی جا رہی ہے، معاش و مزدوری کے لئے ہمارے بچے دیس پردیس میں دھکے کھا رہے ہیں، مسلم گاؤں اور علاقے کی کوئی باثر شناخت نہیں، ہمارے نوجوان مثبت اور تعمیری پلاننگ کرنے سے عاری ہیں، نئی نسل پر ایمان و عقائد کے حوالے سے محنت کا کوئی منظم معاصر نظام نہیں، حال میں کرناٹک ہائی کورٹ کے فیصلے سے باحجاب بچیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے، اس کا شرعی یا سماجی حل ہم نے ڈھونڈا ہے نہ کوئی تیاری ہی کی ہے، ہماری ایمانی و فکری صورت حال یہ ہے کہ بسا اوقات گھریلو اور سماجی زندگی میں بہت سی دفعہ جانے انجانے میں ہم کچھ کام ایسا کر جاتے ہیں جو شرکیہ ہوتے ہیں۔ شرک کا مطلب ہے، اللہ تعالی کی ذاتی و صفاتی خوبیوں میں کسی مخلوق کو شریک سمجھنا، اللہ کی خوبی یہ ہے کہ وہ اکیلا ہے، وہی آسمان و زمین اور ساری قدرت کا مالک ہے، دکھ اور بیماری سب اسی کی طرف سے ملتی ہے، غیب کا علم صرف اسی کو ہے، حقیقی حاجت روا وہی ہے، صحت و شفا اسی کے حکم سے حاصل ہوتی ہے، نفع نقصان کا مالک وہی ہے، مارنے جلانے اور عزت و ذلت اسی کے قبضے میں ہے، اس لئے اللہ کے علاوہ دوسری کسی مخلوق کو ان مذکورہ بالا خوبیوں کا مالک سمجھنا ہی شرک ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ تعلیم بالغان کے سلسلے میں اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں: "بوڑھے مرد اور عورت ہر ایک کو قرآن سیکھنے کی ضرورت ہے، یہ موٹی بات ہے کہ جو کام ضروری ہوتا ہے اور ثواب کا ہوتا ہے، اس کا سامان کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس میں ثواب بھی ملتا ہے، پس اس قاعدے سے قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا سامان کرنا بھی ضروری ہوگا اور اس میں ثواب بھی ملے گا اور سامان اس کا یہی ہے کہ ہر جگہ کے مسلمان مل کر قرآن کے مکتب قائم کریں اور بچوں کو قرآن پڑھوائیں اور بڑی عمر کے آدمی بھی اپنے کاموں میں سے تھوڑا وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا قرآن سیکھا کریں اور جو پڑھانے والا مفت نہ ملے، سب مل کر اس کو گذارا کے موافق کچھ تنخواہ دیا کریں۔ اسی طرح جو بچے اپنے گھر سے غریب ہوں اور اس لئے زیادہ قرآن نہ پڑھ سکیں، ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر دیا کریں کہ وہ اطمینان سے قرآن مجید ختم کر سکیں اور جو لڑکے جتنا قرآن پڑھتے جائیں اپنے گھر جا کر عورتوں اور لڑکیوں کو پڑھا دیا کریں۔ اس طرح سے گھر کے سب مرد اور عورتیں قرآن پڑھ لیں گی۔ (حیات المسلمین ص/۲۹،۲۸)

الغرض: معاشرے میں فکری و عملی ارتداد کے سد باب اور دینی بیداری کیلئے مسلسل کام کرتے رہنے کی ضرورت ہے، زمینی محنت اور خاموش محنت کا مزاج بنا کر گھر، خاندان اور سماج کو مضبوط کیا جائے، ہمیں اجتماعی غور و فکر سے کام کا رخ بھی طے کرنا ہے، تاکہ منکرات پر قابو بھی پایا جا سکے اور سماجی و ذاتی زندگی میں دینی بیداری کی ضرورت کا احساس بھی زندہ رہے۔ اس کے لئے ہمیں مندرجہ ذیل امور پر کام کرنا چاہئے۔ (1) ہر کلمہ گو اپنی ذات کی اصلاح کی ذمہ داری قبول کرے (2) ہر بستی میں مکاتب دینیہ قائم ہوں، جہاں بنیادی دینی تعلیم اور عقائد سکھائے جائیں (3) مساجد کو مرکز بنا کر تعلیم بالغان اور عقائد و مسائل اور ترجمہ قرآن کریم کا اہتمام کیا جائے۔ (4) باضابطہ صباحی یا مسائی تعلیم بالغان کا نظم بذریعہ امام صاحب کیا جائے (5) سنجیدہ و متدین عالم دین کے ذریعے مستورات میں بھی ہفتہ پندرہ دن میں عمومی بیان کا مربوط سلسلہ قائم کیا جائے (6) ائمہ مساجد ہر جمعہ کو لگ الگ عملی، سماجی اور اسلامی اخلاق کے موضوع پر بیان فرمائیں (7) سماج میں ہمدردی اور استقامت فی الدین جیسے مضامین کا مذاکرہ کیا جائے (8) برادران وطن کے ساتھ خوش اخلاقی اور مداہنت کے بغیر رواداری کا مظاہرہ کیا جائے (9) باطل فرقے مثلاً: قادیانی فتنے، شکیلی فتنے، مہدوی فتنے، اور اس طرح ختم نبوت کی عمارت کو کمزور کرنے والے فتنوں سے متنبہ، ہوشیار اور باخبر رہا جائے (10) مسلک عمل کیلئے ہوتا ہے، ان سے چھیڑ چھاڑ اور الجھے بغیر اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کی جائے اور گاؤں محلے کے بچوں کو سو فیصد تعلیم سے جوڑنے کی اجتماعی کوشش کی جائے۔

(**بقیہ: سیاست کے کھیل نرالے ہوتے ہیں......**) وہ میرے قریبی پڑوسی تھے اور میرے فلیٹ کے بالکل بغل والے فلیٹ میں رہتے تھے، حجاب کو عام فہم لفظ میں پردہ بھی کہہ سکتے ہیں اور پردے کی بات کریں تو ہندوؤں میں پردے کا چلن صدیوں پرانا ہے، شری رام کے چھوٹے بھائی لکشمن جب بھی سیتا جی کے پاس جاتے تو نگاہ سیتا کے قدموں پر ہوتی تھی، یہ تھا مردوں کی جانب سے عورتوں کے پردے کا خیال، سیاست کے کچھ الگ ہی اصول ہوتے ہیں، وہ اپنا کھیل اپنے حساب سے اپنے فائدے نقصان کو نظر میں رکھ کر کھیلتی ہے، حجاب کے تعلق سے کرناٹک ہائی کورٹ کا جو فیصلہ آیا نہیں پتہ ہے کہ اسے روکنے یا بدلنے کا اختیار صرف عدالت عظمٰی کے پاس ہے، تاہم قانون توہین عدالت (Contempt of 1971 courts act 1971) میں توہین عدالت کا معاملہ کب بنتا ہے، اس کی تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے، اس قانون کے تحت عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عدالت کے کسی بھی فیصلے کی اپنے شعور و ادراک کی کسوٹی پر رکھ کر اس کی تعبیر و تشریح کر سکتے ہیں، نیز اس پر تنبیہ بھی کر سکتے ہیں اور اپنی رائے بھی دے سکتے ہیں، یہ قانون ہمیں عدلیہ پر جائز تنقید کا اختیار دیتا ہے، ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ انصاف کی کرسی پر براجمان جج صاحبان بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان سے غلطی کے اندیشے کو خارج نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے 36ویں منصف اعظم یوگیش کمار سبھر وال نے عدالت کے احاطے میں منعقدہ طلباء کے ساتھ بات چیت کے ایک پروگرام کے دوران ایک طالب علم کے ذریعے پوچھے گئے چند سوالوں کا جواب اپنے ہوئے کہا تھا کہ 'عدالت عظمٰی کا ہر فیصلہ حتمی خیال کیا جاتا ہے، اس لئے نہیں کہ وہ ہر اعتبار سے صحیح ہوتا ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ ملک کی سب سے بڑی عدالت کا فیصلہ ہے اور یہ کہ اس سے اوپر کوئی اور عدالت نہیں ہے، عدالتوں کے فیصلے ہمیشہ صحیح ہوں، یہ بھی ضروری نہیں ہے، غلطی کی گنجائش ہر ادارے میں ہوتی ہے اور عدلیہ اس سے مستثنٰی نہیں ہے۔' آج یہ سبھی جانتے ہیں کہ سرکار کسی کی بھی ہو، عدالتوں کے کچھ مخصوص فیصلے حکمرانوں کے زیر اثر سنائے جاتے ہیں، ایسا بہت سے دانشور بھی کہتے ہیں تبھی تو کوئی چیف جسٹس رکن پارلیمنٹ بنا دیے گئے یا انہیں کوئی دوسرا سیاسی فائدہ پہنچایا گیا۔

نیز حجاب کا معاملہ ابھی پوری طرح تھما بھی نہیں تھا کہ حلال گوشت اور چکن پر ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی، کرناٹک کا ماحول پہلے ایسا نہیں تھا لیکن گزشتہ چند برسوں سے سیاست اس ریاست کو ایک مخصوص رنگ میں رنگنے کی کوشش کر رہی ہے، اگلے سال یہاں اسمبلی انتخابات ہونے والے ہیں، ایسا لگتا ہے، گجرات، مدھیہ پردیش اور اتر پردیش کے بعد اب کرناٹک بھی ہندوتو کی تجربہ گاہ بننے والا ہے۔ ہندو جن جاگرن سمیتی نام کی ایک تنظیم نے حلال گوشت کے خلاف نعرہ احتجاج بلند کر دیا ہے اور ہندوؤں سے پرزور اپیل کی ہے کہ وہ حلال گوشت کا بائیکاٹ کریں، اس کمیٹی کے ایک عہدیدار نے زہر افشانی کرتے ہوئے کہا ہے کہ حلال گوشت کا سالانہ کاروبار اربوں روپیوں کا ہوتا ہے اور اس کاروبار سے کمائے ہوئے پیسے ملک مخالف سرگرمیوں پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے زہریلے بیان دینے کا حوصلہ کہاں سے ملتا ہے؟ ایسے عناصر کے خلاف موثر قانونی کارروائی کیوں نہیں ہوتی؟ کرناٹک کے بڑے مندروں کے آس پاس مسلمانوں اور عیسائیوں کے جو اسٹالس ہیں، انہیں بھی وہاں سے ہٹائے جانے کی مانگ کی جا رہی ہے۔ مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دیے جانے کے خلاف آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں، گجرات میں اسکول نصاب میں بھگوت گیتا کو شامل کرنے کی بات کہی جا رہی ہے، پورے ملک میں کچھ عجیب سا ماحول پیدا کیا جا رہا ہے، حال ہی میں ہوئے پانچ ریاستوں کے انتخابات سے قریب ۴/ماہ قبل آر ایس ایس سربراہ موہن بھاگوت نے ایک پریس کانفرنس کے دوران میڈیا کے کچھ تلخ سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ سیاسی پارٹیوں کے ذریعے مسلمانوں کو ورغلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ آر ایس ایس ان کی دشمن ہے، جب کہ ہمارا ماننا ہے کہ جو بھی جہاں سے بھی بھارت میں آ گیا، وہ اسی دیش کا ہے، مسلمان بھی ہمارے اپنے ہیں، بھارت کا ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور سب کا ڈی این اے ایک ہی ہے، جو لوگ گؤ رکشا اور لو جہاد کے نام پر ماب لنچنگ کرتے ہیں، وہ ہندو نہیں ہیں۔ وہ اتیاچاری ہیں، ظالم ہیں۔ ہندوتو ڈر یا ہنسا کا پرتیک نہیں ہے، موہن بھاگوت کے اس وچار سے آر ایس ایس کا ایک نیا چہرہ سامنے آتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس تنظیم نے اپنی وچار دھارا میں کچھ اہم تبدیلی کی ہے۔ ساورکر، گولوالکر اور ہیڈ گیواڑ کے ہندوتو میں سیکولرزم کی آمیزش کی گئی ہے مگر ملک بھر میں جو لوگ نفرت پھیلانے کے کام میں لگے ہوئے ہیں، کیا وہ بھاگوت کے نئے وچار اور نئے ہندوتو سے ناواقف ہیں یا اس کے پیچھے بھی کوئی سیاسی کھیل ہے؟ جہاں تک ہندو دھرم کا سوال ہے تو وہ نفرت اور تشدد کی بات نہیں کرتا، شری رام کی کتاب کسی مسلمان کو قتل کرنے کی ترغیب نہیں دیتی، ہندو قوم میں غیروں کو برداشت کرنے اور ان کو گلے لگا کر پیار و محبت سے زندگی گزارنے کا ارمغان پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا دل اگر بڑا نہیں ہوتا تو لاکھوں ہندو ایک مسلمان درویش 'چاند میاں' کو 'سائیں رام' کے نام پر مہاراشٹر کے شری ڈی ٹاؤن میں ان کی پوجا نہیں کرتے، تو پھر ہندو مسلمان اذان، نماز، حجاب اور حلال گوشت کے ایشوز لڑنے مرنے کے لئے تیار کیوں ہو جاتے ہیں؟ سیاست انہیں لڑاتی ہے، ان کا لہو بہاتی ہے، کیونکہ ان کا لہو بہا کر ہی سیاست کے کھلاڑی راج سنگھاسن تک پہنچتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سیاست کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

خوشامد پسند کہیں کے نہیں رہتے

محمد شمیم طارق

ابھی چند دنوں قبل اخبارات کے ذریعہ یہ علم ہوا کہ کانگریس کے قدآور رہنما غلام نبی آزاد نے این سی پی سربراہ شرد پوار سے ملاقات کی، یہ بھی اخبار سے ہی معلوم ہوا کہ شرد پوار نے یو پی اے کی قیادت قبول کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہا کہ وہ مودی مخالف کسی بھی اتحاد کی قیادت نہیں کریں گے؛ لیکن ایسا کوئی اتحاد قائم ہوا تو اس کی مدد ضرور کریں گے، اگر یہ خبریں صحیح ہیں تو ان میں دو اہم پیغامات دیئے گئے ہیں، پہلا پیغام یہ ہے کہ شرد پورا کی قیادت میں مہاراشٹر میں جو اتحاد قائم ہوا ہے اور ان ہی کی سرپرستی میں چل رہا ہے اس نے بشمول مرکز تمام ریاستوں کے لیڈروں کو متوجہ کیا ہے اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ مرکز میں بھی ایسا ہی اتحاد قائم ہو اور اس کی قیادت شرد پوار کریں، اس خبر یا خبر میں پوشیدہ اس پیغام کو پڑھتے ہوئے ان خبروں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے جن میں شرد پوار کا یہ پیغام یا رائے پیش کی گئی ہے کہ بی جے پی یا مودی مخالف کوئی بھی اتحاد کانگریس کی شمولیت کے بغیر کارگر نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ کانگریس ہی وہ پارٹی ہے جس کے اراکین اور ہمدرد آج بھی گاؤں سے شہر اور شہر سے مرکزی شہر تک موجود ہیں، بہت زیادہ پرانی بات نہیں ہے جب شرد پوار کو کانگریس سے نکلنے پر مجبور کیا گیا تھا، ان کے پارٹی چھوڑنے کے بعد کانگریس ہر سطح پر کمزور ہوتی گئی اور وہ لیڈران جو سونیا گاندھی کے مشیر یا قریبی تھے منظر سے ہی نہیں ذہنوں سے بھی اوجھل ہوتے گئے، ایسے لوگ بی جے پی میں شامل ہو گئے یا کانگریس سے الگ ہو گئے جو کانگریس میں قدآور سمجھے جاتے تھے یا کانگریس کے قدآور لیڈروں کے بھائی بیٹے ہونے کی وجہ سے بڑے لیڈروں میں شمار کئے جاتے تھے، ان کی عوامی حیثیت کچھ نہیں تھی، کانگریس مضبوط تھی اور سونیا گاندھی کا انہیں اعتماد حاصل تھا تو اہم لیڈروں میں شمار کئے جاتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے کانگریس کی وہ حالت کردی جو بغیر دانت کے منہ کی ہوتی ہے، شرد پوار کانگریس پارلیمانی پارٹی کے لیڈر ہوتے ہوتے رہ گئے تھے اور ان کی جگہ نرسمہاراؤ کو کانگریس پارلیمانی پارٹی کا لیڈر، دوسرے لفظوں میں وزیر اعظم منتخب کرلیا گیا تھا، نرسمہاراؤ نے ملک کو منموہن سنگھ جیسا ماہر معاشیات دیا جس نے وزیر خزانہ کی حیثیت سے ملک کو نئی سمت عطا کی، باقی ہر معاملے میں وہ ناکام ثابت ہوئے اور یہی نہیں کہ جیتے جی وہ کانگریس اور ملک میں نظر انداز کئے جانے لگے؛ بلکہ موت کے بعد بھی ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ ایک ناپسندیدہ شخص تھے، دوسرا پیغام یہ کہ جس شخص میں کام کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ کام کر کے دکھاتا بھی ہے تو اس کے دشمنوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، حاسدین اس کے خلاف لگائی بجھائی کرتے رہتے ہیں اس کے باوجود وہ اپنی صلاحیت اور سخت قربانی کے سبب زندہ رہتا ہے مگر وہ اصحاب اقتدار جو لگائی بجھائی کرنے والوں پر اعتماد کرتے ہیں ان کا برا حال ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو سیاست کے علاوہ تعلیمی اور دیگر اداروں کے سربراہوں کی خوشامد پسندی کے حوالے سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ مثالیں ہر طرف موجود ہیں، تلاش کرنا عوام کا کام ہے، کتنی سیاسی پارٹیاں اور تعلیمی ادارے محض اس لئے تباہ ہو گئے کہ ان کے سربراہ مخلص اور باصلاحیت لوگوں کو نہیں خوشامد کرنے والوں کو پسند کرتے تھے، سیاست میں تو اس رجحان کے خلاف ہمیشہ صف آرائی ہوتی رہی ہے، مثلاً اندرا گاندھی کی کانگریس میں نوجوان لیڈروں کو بہت دبدبہ حاصل تھا، سونیا گاندھی کے زمانے کی کانگریس میں جی ۲۳ پیدا ہو گیا ہے اور شاید اس کے دباؤ میں شرد پوار سے یو پی اے کی قیادت سنبھالنے کی درخواست بھی کی گئی ہے، صحافت میں زرد صحافت کی اصطلاح ایک زمانے سے رائج ہے اب گودی میڈیا کی اصطلاح بھی کثرت سے استعمال ہو رہی ہے، مگر تعلیمی اور سماجی اداروں میں اس طرح آواز نہیں اٹھ رہی ہے جیسی اٹھنی چاہئے، کسی بھی سیاسی پارٹی کے لیڈر کی پالیسیوں اور کارکردگی سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر لیڈر کی پالیسی اور کارکردگی سے اتفاق کیا جائے۔ شرد پوار کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ بات نکلے گی تو پھر دور تک جائے گی؛ مگر انہوں نے ایمرجنسی کے بعد جس طرح کانگریس لیڈرشپ کو للکارا، پارٹی سے الگ ہوئے یا الگ کئے گئے، اپنی پارٹی بنائی، دوبارہ کانگریس میں ضم ہوئے، غیر ملکی کے سوال پر ایک بار پھر کانگریس سے الگ ہوئے، پھر ایک نئی پارٹی بنائی اور اس کو اقتدار میں مضبوط ساجھیدار بنایا اس سے انکار ممکن نہیں ہے، یہاں یہ سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ شرد پوار مضبوط لیڈر ہیں تو یو پی اے کی قیادت سنبھالتے کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو احساس ہے کہ ہندوستان کے عوام کا ایک طریقہ مودی کو کیوں ووٹ دے رہا ہے۔ انہیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ جس اتحاد کی قیادت سنبھالنے کی ان سے درخواست کی جارہی ہے اس اتحاد کی سب سے بڑی پارٹی ان کے ساتھ کیا سلوک کرتی رہی ہے اور وہ کیا سلوک کرسکتی ہے۔ سیاست یا سماج میں شکست کھانا، اقتدار سے محروم کیا جانا یا مختلف طریقوں سے ہراساں کیا جانا ذلت و شرمندگی کی بات نہیں ہے۔ ذلت و شرمندگی کی بات یہ ہے کہ خوف یا لالچ میں پڑ کر ظالم اور بدعنوان کو آئینہ دکھانا چھوڑ دیا جائے، کانگریس قیادت کو یہ بات سمجھ میں آگئی مگر بہت دیر سے، کاش ان لوگوں کو بھی سمجھ میں آجاتی جو خوشامد پر اپنا اقتدار قائم کئے ہوئے ہیں، جس شرد پوار کو یو پی اے میں شامل سب سے بڑی پارٹی میں پہلے الگ تھلگ کر کے الگ ہوجانے پر مجبور کیا گیا تھا شرد پوار کو یو پی اے کی قیادت کے لئے مدعو کرنا ان تمام لوگوں کیلئے بڑی درس عبرت ہے جو بدلتے سیاسی موسموں کی طرح رنگ بدلتے ہیں، یوں تو ذلیل ہوتے ہی ہیں ان کی خوشامد پر اقتدار کے پائے رکھنے کے لئے بھی ذلیل ہوتے ہیں۔

بقیات

بقیہ ...... مولانا عبدالرشید صاحب...... حضرت کی تربیت کا انداز بھی بڑا نرالا تھا، نماز اور درجہ میں غیر حاضری پر تنبیہ بھی کرتے اور سمجھاتے بھی، جن طلبہ کو نماز کا پابند، تکرار کا عادی، اسباق یاد کرنے میں ممتاز اور غیر علمی کاموں سے گریزاں پاتے تو اس کی حوصلہ افزائی کرتے، تعلیم کے میدان میں بزرگوں کے قصے بھی سناتے اور اس راہ میں خود اپنی جدوجہد کی داستان سنا کر طلبہ کو تیز گام کرتے۔

دوسری طرف اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خاص خیال رکھتے، ان کی ضرورتوں کی تکمیل میں کوتاہی نہیں کرتے، ان اوصاف وخصوصیات کی وجہ سے طلبہ اساتذہ اور کارکنان کے لیے وہ بہت پسندیدہ شخصیت تھے، حالانکہ کار اہتمام کے ساتھ سب کو خوش رکھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے، امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اہتمام اور نظامت کی ذمہ داریوں کے ساتھ سب کو خوش نہیں رکھا جاسکتا، مولانا عبدالرشید صاحبؒ اس معاملہ میں بڑی حد تک کامیاب تھے۔

یقیناً مولانا کی شخصیت کئی اعتبار سے مفید تھی، ان کا انتقال علمی دنیا کا عموماً اور جامعہ اسلامیہ مظفرپور کا خصوصاً بڑا نقصان ہے، میں اس حادثہ پر بانی جامعہ، وہاں کے اساتذہ اور کارکنان سے اظہار تعزیت کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت جامعہ اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، حضرت کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی النبی الکریم۔

بقیہ ...... اسلام اور جدید سائنس ...... حضرت سعدؓ دل کے مریض تھے ان کو رسول پاک صلی اللہ وسلم نے عجوہ کھجور گٹھلی سمیت تجویز کی، اور پھر مشہور حکیم حارث بن خلدہ نے مشورہ دیا کہ کھجور کے ساتھ میتھی کو جوش دے کر ہریرہ (soup) بنا کردیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ساتھ میتھی کے اضافے کو پسند فرمایا۔

آج جدید میڈیکل سائنس بھی واضح کرچکی ہے کہ میتھی سے کولیسٹرول کم ہوتا ہے، شیر ان میں کولیسٹرول کو جمنے نہیں دیتا۔ جس کی وجہ سے ہارٹ اٹیک (heart attack) کے خطرات کم ہوجاتے ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر (high blood pressure) میتھی کے استعمال سے کنٹرول ہوتا ہے۔

☆ میتھی دانہ جسم سے فاسد مادوں کو خارج کرتا ہے ☆ جگر کی حفاظت کرتا ہے جگر کو زہریلے مادوں سے پاک رکھتا ہے۔

☆ شوگر (Diabetes) کے مریضوں کے لئے میتھی دانہ کا استعمال کسی نعمت سے کم نہیں، یہ شوگر کی سطح کو نارمل رکھتا ہے ☆ جدید تحقیق سے یہ بات واضح ہے کہ میتھی دانہ وزن کو بھی کم کرتا ہے ☆ شوگر کے مریضوں کے لیے میتھی دانہ کا استعمال مسلسل تین مہینے کرنے سے انشاء اللہ شوگر نارمل ہوجائے گی۔

میتھی دانے کے استعمال کا طریقہ:- ایک چمچ میتھی دانہ صاف کر کے رات میں ایک گلاس میں پانی میں بھگو کر رکھ دیں۔ صبح اٹھ کر نہار منہ دانوں کو چبا کر کھالیں اور پانی پی لیں۔ اور ناشتہ ایک گھنٹے بعد کریں۔ انشاء اللہ شوگر کی سطح نارمل ہوجائے گی اور دوسرے بھی بہت سے بیماریوں سے حفاظت ہوگی۔ ہزاروں فائدہ میتھی دانہ کے جو رسول پاک صل وسلم نے چودہ سو سال پہلے ہی بتا دیا تھا اور آج میڈیکل سائنس بھی اس بات کو تسلیم کر رہی ہے۔

۲۔ کلونجی (Black seeds):- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کلونجی ہر مرض کی دوا ہے سوائے موت کے"۔ تمام حکیموں کی ادویات میں کلونجی کا استعمال لازمی ہوتا ہے۔ طب نبوی کی کتاب میں کلونجی کے ہزاروں فائدے موجود ہے اور آج جدید سائنس بھی اس بات کو مان چکی ہے کہ اس چھوٹے سے بیج میں بہت سے فائدے ہیں اور بیماریوں کا علاج ہے، کلونجی کا استعمال مختلف امراض کے لیے کیا جاتا ہے۔ دمہ، سر درد، جسمانی چربی، جوڑوں کا درد، بالوں کا جھڑنا، قبض، جلدی بیماریاں وغیرہ۔

بعض حکیموں کا کہنا ہے کہ کلونجی کا تیل شوگر کے مریضوں کے لیے بے حد مفید ہے۔

۳۔ شہد (honey):- شہد بھی ایک بہترین دوا ہے شہد ہمارے پیارے رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ اب سوچنے والی بات ہے جو رسول پاک صل وسلم کو اتنا محبوب ہو اس میں کتنی شفا اور برکات ہوں گی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم شہد کو ہر موسم میں استعمال کرتے سردیوں میں گرم پانی کے ساتھ اور گرمیوں میں مشروبات کے طور پر کتابوں میں لکھا ہے، اگر شہد کا استعمال سردیوں اور گرمیوں میں مستقل طور پر کیا جائے تو انشاء اللہ اس شخص کو کوئی بیماری نہیں ہوگی۔

اللہ تعالی نے چھوٹی چھوٹی غذا ہمارے لئے شفا اور برکات رکھی ہے یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے، قرآن کریم سورہ رحمٰن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ: تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اللہ تعالی کے ہم پر کتنے احسانات ہیں۔ بیشک ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر اس کی عبادت کر کے کریں اور اس کے احکامات کی تعمیل کرے۔

शिक्षा, तकनीक तथा चिकित्सा प्रबंध का संस्था　تعلیمی تکنیکی طبی انتظام کا مرکزی ادارہ　Institute of Education, Technic & Treatment

مولانا عبداللطیف ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) جامعہ نگر، شکارپور

मौलाना अब्दुललतीफ एजुकेशनल एन्ड वेलफेयर ट्रस्ट जामिआनगर, शिकारपुर

Maulana Abdullatif EDUCATIONAL & WELFARE TRUST Jamiah Nagar, Shikarpur

PO: DASGRAM, P.S: ABADPUR, BLOCK: BARSOI, DIST:KATIHAR, BIHAR, INDIA.PIN:855102

Mobile No. +91-7483055398 / 8618692438 Email : mewtrust72@gmail.com

Account No. 7159658957, IFSC Code: IDIB000Z502, Indian Bank, Zamira , Katihar

SHIKARPUR — EDUCATION IS BEST WAY FOR DEVELOPMENT

قارئین کرام! قوم وملت کی تعلیمی، تکنیکی اور طبی خدمات کو مفید ترین طریقوں سے انجام دینے والا ادارہ **"مولانا عبداللطیف ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ"** جامعہ نگر، شکارپور، کٹیہار (بہار) کی بنیاد مفکر ملت حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی امیر شریعت بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی ہے، اس ادارہ کے ذریعہ علاقہ میں جہاں دینی وعصری تعلیم کا کام انجام پارہا ہے وہیں نوجوانوں کو جدید تکنیک اور غریب و نادار لوگوں کے لئے طبی خدمات بھی مہیا کئے جائیں گے،، عام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ اس ادارہ کی ترقی کے لئے دعا کے ساتھ رمضان المبارک میں خصوصاً اپنے صدقات وعطیات سے نوازیں۔

مولانا حسیب الرحمٰن قاسمی

سکریٹری ایم، ای، ڈبلیو ٹرسٹ، کٹیہار

Scanned with CamScanner

طب وصحت

اسلام اور جدید سائنس

فرح ناز مہاراشٹر

آج کل جدید میڈیکل سائنس مختلف تجربات کر رہی ہے جسے ہمارے پیارے نبی رسول صلی اللہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ہی ہمیں اس بات کی تعلیم دے چکے ہیں۔اور آج جدید میڈیکل سائنس بھی ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے پیچھے چھپی ہوئی حکمت کو تسلیم کرتی ہے۔اور جان کر حیرت زدہ ہے کہ یہ سب علم تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ہی دے دیا ہے۔طب نبوی کا جائزہ لیا جائے تو بہت سے ہزاروں نسخے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بتایا ہے جو انسان کو ہر بیماری سے شفا کے لئے بے حد مفید اور کارآمد ہے۔

کتاب طب نبوی میں ہزاروں نسخے ہیں۔ جسے رسول کا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سکھائے ہیں۔یہاں پر میں آپ کو چند ایسی باتیں بتاتی ہوں جو چودہ سو سال پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی اور آج جدید میڈیکل میں بھی اسے تسلیم کیا ہے جو صحت مند زندگی کیلئے مفید اور کارآمد ہے۔

۱۔پانی پینے کے آداب اور جدید سائنس کی تحقیق،۲۔وضو اور سائنس کے حیرت انگیز انکشافات ۳۔میتھی،شہد اور کلونجی کے استعمال کے فائدے۔

۱۔پانی پینے کے آداب اور جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق:-رحمتہ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے رہنما ہیں۔آپؐ نے ہمیں زندگی جینے کے آداب سکھائے ہیں۔اسلام نے ہمیں پانی پینے کے آداب بھی سکھائے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں:رسول صلی وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں پانی نہ پیا کرو بلکہ ٹھہر ٹھہر کر دو سے تین سانس میں پانی پیا کرو اور جب پانی پینے لگو تو "بسم اللہ" پڑھا کرو اور پانی پینے کے بعد "الحمد اللہ" پڑھا کرو۔ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے،ایک اور حدیث بیان کرتی ہوں جس کا مفہوم ہے:""اگر تمہیں پتہ لگ جائے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کا کتنا نقصان ہے تو وہ پانی تم حلق میں انگلی ڈال کر باہر نکال دو گے"۔

اب جدید سائنس کے مطابق کھڑے ہو کر ایک سانس میں پانی پینے کے کیا نقصانات ہیں میں آپ کو بتاتی ہوں۔میڈیکل سائنس کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے پانی جسم میں جلدی جذب ہو جاتا ہے اس کی وجہ سے گردوں پر گہرا اثر پڑتا ہے اور سارے جسم میں ورم کا خطرہ بڑھ جاتا ہے،ایک اور اہم بات کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی پینا معدے کے عضلات کو ڈھیلا کر دیتا ہے اور میدے کے اندرونی جھلی کے ورم کا باعث بنتا ہے اور تیزابیت بڑھ جاتی ہے جسے ہم Acidity کے نام سے جانتے ہیں، یہ مسئلہ کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی پینے سے پیدا ہوتا ہے،آج ہر انسان Acidity کے مسئلے سے دوچار ہوتا نظر آتا ہے،لہٰذا کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی پینے سے گریز کریں،تقریباً 15 سے 30 منٹ بعد پانی پیا کریں؛ تاکہ معدے میں تیزابیت (Acidity) نہ بڑھے ۔اسی طرح تین سانس میں پانی پینے کا عمل بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ۔اور جدید میڈیکل سائنس بھی یہی کہتی ہے کہ تین سانس میں پانی پینے سے معدے میں غیر معمولی حرارت کم کرتا ہے

۲۔وضو اور سائنس کے حیرت انگیز انکشافات:-وضو کے متعلق چودہ سو سال پہلے رسول پاک صلی اللہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے آج جدید سائنس تحقیق کر کے اس کو تسلیم کر رہی ہے،ہمارا اسلام پاکیزگی پر مبنی ہے،وضو کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا واضح حکم ہے،اور نماز کے لئے وضو شرط ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں اپنی امت کو پہچان لوں گا؛ کیوں کہ ان کے چہرے وضو کی وجہ سے نور سے چمک دار ہوں گے۔

اب میں آپ کو جدید سائنس کے مطابق بتاتی ہوں کہ وضو کرنے سے نہ صرف نفسیاتی بلکہ جسمانی فائدے بھی لاتعداد ہیں۔

دونوں ہاتھ دھونا:وضو میں مسلمان ابتدا میں دونوں ہاتھ دھوتا ہے اس سے ہاتھ پر موجود جراثیم دور ہو جاتے ہیں۔ظاہر انسان کھانا ہاتھ سے کھاتا ہے اور اگر جراثیم ہاتھ پر موجود ہوں گے تو پیٹ میں داخل ہو جائیں گے۔دونوں ہاتھ دھونا یہ عمل انسان کو پیٹ کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے .پانی گزرنے سے بدن کی قوت بڑھتی ہے .اس لئے اللہ نے ہمیں ہاتھ دھونے کا حکم دیا ہے۔

کلی کرنا:-کلی کرنے سے منہ کے جراثیم صاف ہوتے ہیں منہ کی صفائی ہوتی ہے کلی کرنے سے منہ کی بدبو دور ہوتی ہے۔دانتوں کی بیماریاں نہیں ہوتی،آج انسان دانتوں کی کئی بیماریوں سے دوچار ہو رہا ہے۔ Pyria جیسی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔کلی کرنا ایک بہترین عمل ہے جس سے منہ کی تمام بیماریاں ختم ہو جاتی ہے یہ سب بیماریاں وضو کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔

ناک میں پانی ڈالنا:-ناک سانس لینے کا واحد راستہ ہے۔ہوا میں بے شمار جراثیم ہوتے ہیں جو ناک میں بآسانی داخل ہو جاتے ہیں۔ آج پوری دنیا کرونا وائرس کا شکار ہو چکی ہے یہ یہ وائرس ناک کے ذریعے جسم میں داخل ہوتا ہے، اگر ناک میں پانی ڈال کر صفائی کی جائے تو جراثیم جسم میں داخل نہیں ہوتے ۔یہ عمل وضو میں ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں اس عمل کے ذریعے سانس کے ذریعے جسم میں جانے والے جراثیم سے محفوظ رکھا ہے۔

چہرہ دھونا:-چہرہ دھونے سے چہرے کی صفائی ہوتی ہے۔چہرے پر جمع گرد و غبار صاف ہو جاتا ہے،آنکھوں کے پلکوں کی صفائی ہو جاتی ہے۔اور آنکھوں کے مرض کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ایک چینی سائنسداں کے مطابق چہرہ دھونے سے پیٹ میں چھوٹی اور بڑی انت پر اچھے اثرات پڑتے ہیں۔

کہنی تک ہاتھ دھونا:-وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھوتے ہیں کہنی تک ہاتھ دھونے سے نہ صرف جسمانی بلکہ نفسیاتی بیماری میں افاقہ ہوتا ہے۔مثال کے طور پر:ذہن میں ناپاک خیالات آنا، ناامیدی،ذہنی کمزوری،خوف وغیرہ

سر کا مسح کرنا:-سر پر گیلا ہاتھ پھیرنے سے سر پر جمع گرد و غبار نکل جاتا ہے،دن میں پانچ مرتبہ دماغ کو ہلکی ٹھنڈی غسل دینے سے کھوپڑی کے اندر تھکے ہوئے دماغ کو ٹھنڈک اور سکون ملتا ہے۔

مسح کرنے کے بعد شہادت کی انگلی کان میں ڈالنا:-مسح کے بعد شہادت کی انگلی کان میں ڈالنے سے کان کی صفائی ہوتی ہے۔اور سننے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔کانوں کے پیچھے کی صفائی سے نظر کی کمزوری سے محفوظ رہتے ہیں۔گردن کا مسح کرنے سے جسم کو ایک خاص توانائی نصیب ہوتی ہے، اس کا تعلق ریڑھ کی ہڈی اور تمام جسمانی جوڑوں سے ہے،گردن اور کانوں کی پشت پر ٹھنڈا پانی کا ہاتھ پھیرنے سے ان کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں۔تھکن دور ہوتی ہے۔

پاؤں دھونا:-وضو میں پاؤں دھونا یہ آخری عمل ہے پاؤں دھونے سے گرد و غبار دور ہو جاتا ہے۔پاؤں کی صفائی ہوتی ہے پیر کھلے ہوتے ہیں اس لیے ان پر گندگی بیٹھ جاتی ہے وضو سے یہ سارے گرد و غبار صاف ہو جاتے ہیں۔

آپ تصور کر سکتے ہیں وضو کے کتنے سارے فائدے ہیں اللہ سبحانہ تعالی نے سارے فائدے ہمارے لئے وضو میں رکھے ہیں۔ وضو کے اتنے فائدے ہیں تو ذرا سوچیں نماز پڑھنے کے کتنے فائدے ہونگے۔

۳۔میتھی،شہد اور کلونجی کے استعمال کے فائدے۔

ا۔میتھی دانہ(fenugreek seeds):-میتھی دانہ کے اتنے سارے فوائد ہیں کہ سائنسداں حیرت زدہ ہیں۔فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"میتھی کے فائدے میری امت کو سمجھ لیں تو سونے کے بھاؤ خرید لے"۔رسول اللہ صل وسلم نے ارشاد فرمایا میتھی میں شفا ہے میتھی سے شفاء حاصل کرو۔(بقیہ صفحہ ۱۴ر پر)

ہفتۂ رفتہ

محمد منہاج عالم ندوی

گیان واپی مسجد کے معائنہ کے لیے خصوصی کمشنر مقرر

وارنسی میں واقع گیان واپی مسجد کمپلیکس کے تعلق سے جاری مقدمہ میں ایک نیا موڑ آ گیا ہے،ضلعی عدالت نے ایک خصوصی کمشنر مقرر کرتے ہوئے انہیں کمپلیکس کا دورہ کرنے اور جائزہ لیتے ہوئے ویڈیوگرافی کرانے کا حکم دیا ہے،ساتھ ہی اس دورہ کے موقع پر خصوصی سیکورٹی کا بندوبست کرنے کی بھی ہدایت دی ہے،ضلعی عدالت کا یہ حکم ایسے وقت میں آیا ہے جب الٰہ آباد ہائی کورٹ پہلے ہی سول عدالت کے اس حکم پر اسٹے لگا چکا ہے،جس میں ایس آئی کو نچلی عدالت نے سروے،ویڈیوگرافی کرانے کی ہدایت دی تھی۔اس نئے ڈیولپمنٹ سے مسلم فریق میں تشویش ہے۔(ایجنسی)

شرائط کے ساتھ عازمین حج کی تعداد ۱۰/لاکھ

کورونا باعث دو برس تک محدود حج کے بعد سعودی عرب نے اس سال عازمین کی تعداد دس لاکھ تک بڑھانے کا اعلان کیا ہے،گزشتہ دو برسوں کے دوران صرف سعودی عرب میں رہنے والے چند ہزار عازمین کو ہی فریضہ حج ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی،عازمین حج کی تعداد میں اضافے کا اعلان کرتے ہوئے سعودی عرب کی وزارت حج وعمرہ نے بعض ضابطوں کا بھی اعلان کیا،وزارت کی طرف سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے مقدس ترین شہر مکہ میں صرف ایسے عازمین حج کو آنے کی اجازت دی جائے گی جنہوں نے کووڈ کے دونوں ویکسین لگوا لیے ہیں،اس کے علاوہ ان کی عمر ۶۵/برس سے کم ہونی چاہیے،سعودی وزارت حج وعمرہ کی طرف سے ہفتے کے روز جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ خادم حرمین شریفین کے لیے جہاں اس امر کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک محفوظ اور روحانی ماحول میں فریضہ حج ادا کر سکیں اور مسجد نبوی کی زیارت کر سکیں،وہیں عازمین حج نیز مسجد نبوی کے زائرین کی صحت وسلامتی اور سیکورٹی کو یقینی بنانا بھی ان کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

شرائط میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیرون ملک سے آنے والے عازمین حج کے لیے سعودی عرب روانہ ہونے سے قبل زیادہ سے زیادہ ۷۲/گھنٹہ پہلے کا پی سی آر منفی ٹسٹ رپورٹ جمع کرنی ہوگی،نیز مکہ اور مدینہ میں قیام کے دوران کورونا وائرس کو پھیلنے سے روکنے کے لیے کیے گئے اقدامات پر بھی عمل کرنا ہوگا۔

دہلی کی تیس فیصد شہری آبادی 'غیر قانونی' پھر صرف جہانگیر پوری کیوں؟

جہانگیر پوری میں انہدامی کارروائی کے بعد بھارتی دارالحکومت دہلی میں 'غیر قانونی کالونیوں' کا معاملہ ایک بار پھر زیر بحث ہے،سپریم کورٹ نے اس بات پر سخت ناراضگی ظاہر کی کہ عدالت کی واضح ہدایات کے باوجود جہانگیر پوری میں مکانات اور دکانوں کا انہدام روکا کیوں نہیں گیا، بھارتی عدالت عظمٰی نے اس معاملے میں سماعت دو ہفتے کے لیے ملتوی کرتے ہوئے کہا،"ہم اس بارے میں سنجیدگی سے کارروائی کریں گے۔"

متاثرین کے مطابق انہدامی کارروائی سے قبل نہ تو انہیں کوئی نوٹس دیا گیا اور نہ ہی وہاں سے اپنا سامان نکالنے کا کوئی موقع مہیا کیا گیا،انہوں نے الزام لگایا کہ شہر کی میونسپل کارپوریشن نے یہ کارروائی ہندو قوم پرست جماعت بی جے پی کے اشارے پر اور اس کے رہنماؤں کو 'خوش کرنے کے لیے' کی۔گزشتہ اتوار کے روز ہنومان جینتی کے موقع پر جہانگیر پوری میں فرقہ وارانہ تشدد پھوٹ پڑا تھا،ان سب کے درمیان بھارت کے قومی دارالحکومت دہلی میں غیر قانونی کالونیوں (unauthorised colonies) کا مسئلہ ایک بار پھر زیر بحث ہے۔

Volume:62/72,Issue:17 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Sohail Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND
NAQUEEB WEEKLY
PHULWARI SHARIF, PATNA-801505
SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-21-23
R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/61

نہ مجھ کو کہنے کی طاقت کہوں تو کیا احوال
نہ اس کو سننے کی فرصت کہوں تو کس سے کہوں
(بہادر شاہ ظفر)

عدم تحفظ کا مسئلہ اور حکومت کی خاموشی

محمد حنیف خان

تحفظ ایک ایسا مسئلہ ہے جو مکمل طور پر حکومت سے وابستہ ہے۔ یہ اس کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ ملک کے ہر شہری کو تحفظ فراہم کرے۔ اگر کسی ملک میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو جائے تو وہ ملک زبانی جمع خرچ خواہ کتنا بھی کرلے کبھی ترقی کے منازل نہیں طے کر سکتا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ مرکزی اور ریاستی حکومتیں تحفظ کو صد درجہ اہمیت دیتی ہیں۔ مرکز جہاں ایک طرف ملک کے تحفظ اور اس کی سلامتی کا دعویٰ کرتا رہا ہے اگرچہ اس کے دور اقتدار میں پلوامہ جیسے حملے بھی ہوئے جس سے متعلق رپورٹ آج تک منظر عام پر نہیں آئی۔ وہیں دوسری جانب ریاستی حکومتیں اپنی اپنی ریاستوں میں تحفظ اور عوام خصوصاً تاجروں کی سلامتی کا دعویٰ کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اب کسی کی ہمت نہیں کہ کوئی کسی کو لوٹ سکے قتل کر سکے یا کسی بھی طرح سے نقصان پہنچا سکے۔ کاغذی اور زبانی سطح پر یہ بہت زور وشور کے ساتھ ہو رہا ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ واقعی تحفظ اور سلامتی کے مسئلے پر ہماری حکومتیں بہت تیزی سے آگے بڑھی ہیں۔ لیکن دوسری طرف زمینی سچائی یہ ہے کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت ملک کے ہر کونے میں عدم تحفظ کا شکار ہے، خواہ وہ کشمیر ہو، اتر پردیش ہو، کرناٹک، آسام ہو یا پھر مدھیہ پردیش ہو ہر جگہ ان میں خوف وہراس کا ایسا ماحول ہے جو ان کیلئے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مرکزی اور ریاستی حکومتیں 'سب کا ساتھ، سب کا وکاس اور سب کا وشواس' کے نعرے کے ساتھ بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں اور ہر ایک کو تحفظ وسلامتی فراہم کرنے کا دعویٰ کر رہی ہیں تو پھر اقلیتوں میں عدم تحفظ کا احساس کیوں ہے؟ وہ کس سے ڈر رہے ہیں اور انہیں کس بات کا ڈر ہے؟

اس کا جواب اتنا سیدھا نہیں ہے اور مشکل بھی نہیں ہے۔ سیدھا اس لیے نہیں ہے کیونکہ اس ڈر سے متعلق ایک ایسا بیانیہ قائم کیا گیا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ جو بھی ان کے خلاف ملک میں ہو رہا ہے اس کے ذمہ دار یا تو وہ خود ہیں یا پھر ان کے آباء واجداد ہیں، جن کے عمل کے ردعمل کے طور پر آج وہ نشانہ بنائے جاتے ہیں اور اس کا جواب مشکل اس لیے نہیں ہے کہ سب کچھ سامنے دکھائی دے رہا ہے۔ کسی بھی جانب نظر اٹھا کر دیکھ لیجئے عتاب کا شکار کوئی مسلم ہی نظر آئے گا۔

کرناٹک میں جو معاملہ حجاب سے شروع ہوا تھا، وہ مندر کے قریب مسلم دکانداروں کو ہٹائے جانے سے ہوتے ہوئے اب پھل وسبزی منڈیوں میں عمومی بائیکاٹ تک پہنچ گیا ہے۔ ابھی تک صرف ماب لنچنگ ہوتی تھی لیکن وزیر اعظم کے نعرہ 'سب کا ساتھ سب کا وکاس' میں لفظ 'وشواس' کے جڑنے کے بعد معاشی بائیکاٹ کا بھی سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ جس طرح مسلم دکانداروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان کے کاروبار کو تباہ کرنے کی منظم کوشش کی جارہی ہے، اس سے واقعی ان میں حکومت کے تئیں 'وشواس' بڑھ رہا ہے کیونکہ اس سے قبل اس طرح سے منظم ہو کر کسی شعبہ حیات کو نشانہ نہیں بنایا گیا تھا۔

وہ کون لوگ ہیں جو کھلے عام مسلمانوں کی نسل کشی اور ان کے کاروبار کی تباہی کی دھمکی دیتے ہیں؟ اس پر بھی کسی طرح کا کوئی پردہ نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور ان کی فکری نہج کیا ہے۔ ملک کی اکثریت ان کے اس عمل کے خلاف ہے لیکن چند مٹھی بھر لوگ جن کو سیاسی پناہ ملی ہوئی ہے، وہ ملک میں عدم تحفظ کا ماحول بنا رہے ہیں۔ یہ لوگ ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بی جے پی کے اقتدار میں آنے اور اس کے مسلسل مضبوط ہونے کے بعد ان لوگوں کے ذہنی تفوق اور برتری میں اس قدر ابال آچکا ہے کہ وہ انسانیت کو اب پامال کرنے لگے ہیں۔ ان کو اس بات کی فکر نہیں کہ یہی وہی ملک ہے جسے گنگا جمنی تہذیب کا مرکز کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سے بہتر اب کوئی موقع نہیں آسکتا ہے، اس لیے بغیر کسی روک ٹوک کے وہ آگے ہی بڑھتے جا رہے ہیں۔ حکومتیں بھی ان کا ساتھ پوری طرح سے دے رہی ہیں۔

وزیر اعظم نریندر مودی کو ایک طاقتور وزیر اعظم کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ وہ من کی بھی خوب بات کرتے ہیں اور نوجوانوں میں حب الوطنی کا جذبہ بڑھانے کے ساتھ ہی صنعتی دنیا میں اس کی ترقی کے لیے بھی ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اسی لیے انہوں نے نئے نئے اسٹارٹ اپ شروع کیے تاکہ نوجوانوں کو کام ملے۔ مگر یہ اسٹارٹ اپ کاغذی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ نوجوان محبت کی شمع جلانے کے بجائے دکانوں ومکانوں کو نذر آتش کرنے جا رہا ہے۔ مساجد اور بابری کورٹ جیسی عمارتوں پر بھگوا جھنڈا لہرا رہا ہے مگر بالکل خاموش ہیں، ایک لفظ بھی نہیں بول رہے ہیں۔ وہ وزیر داخلہ جن کے ذمہ ملک کے اندرون کی سلامتی ہوتی ہے وہ مسلم بچی کو گھیرنے، اس کو ستانے اور زدوکوب کرنے کی کوشش پر اس کے خلاف کوئی نوٹس نہیں لیتے ہیں۔ ان کی پولیس مدھیہ پردیش میں ان ہی لوگوں کے خلاف کارروائی کرتی ہے جن پر ظلم کیے گئے ہیں مگر وہ خاموش ہیں کیونکہ اسی سے ان کی کرسی وابستہ ہے۔ اب ان کی نظر 2024 پر ہے، ایسے میں وہ زبان کہاں کھول سکتے ہیں۔ یہ ملک کے وہ ایسے طاقتور لیڈر ہیں کہ اگر یہ چاہ لیں تو ایک دن میں مسلمانوں کے خلاف تشدد اور ان کو معاشی سطح پر تباہ کرنے کی کوششیں ختم ہو سکتی ہیں لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ دراصل سیاست دانوں کو معلوم ہے کہ وہ کون سا راستہ ہے جو انہیں سیاست کی اونچائیوں پر نہ صرف پہنچا سکتا ہے بلکہ ان کو وہاں قائم بھی رکھ سکتا ہے۔ ادھر چند ماہ میں جس طرح سے کرناٹک کو ایک نئی لیباریٹری بنایا گیا ہے جس کی حالت دیکھ کر یدورپا تک کو کہنا پڑا کہ ہر شخص کو امن وچین سے رہنا چاہیے مگر ہمارے وہ اہم لیڈران کی زبان پر ایک لفظ نہیں آیا۔ دراصل یدورپا جیسے لیڈر اس طرح کے واقعات کو محدود دائرے میں دیکھتے ہیں جبکہ بڑے لیڈر کسی بھی معاملے کو وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں۔ کرناٹک میں الیکشن کے ساتھ ہماچل پردیش میں بھی جلد ہی الیکشن ہونے والے ہیں۔ اس سلسلے میں کانگریس کے سینئر لیڈر اور وکیل کپل سبل نے سپریم کورٹ میں بڑی اہم بات کہی ہے، انہوں نے سپریم کورٹ کو بتایا کہ ہماچل پردیش میں بھی اتراکھنڈ کے دھرم سنسد کی طرح پروگرام ہونے والا ہے، ان کا اشارہ آئندہ ہونے والے الیکشن کی جانب بھی تھا۔ دراصل کورٹ نے اتراکھنڈ میں دھرم سنسد میں مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے عوام کو بھڑکانے سے متعلق ریاستی حکومت کو صورتحال رپورٹ داخل کرنے کے لیے کہا ہے، اسی معاملے کی سماعت کے دوران کپل سبل نے سپریم کورٹ کی توجہ ہماچل پردیش کی جانب مبذول کرائی تھی۔ عدالت نے کسی طرح کا تبصرہ کرنے کے بجائے متعلقہ افسران کو اس سلسلے میں معلومات دینے کی بات کہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے بھڑکانے، ان کے خلاف سماج میں نفرت پھیلانے اور ان کو ہر سطح پر تباہ کرنے کی کوششیں کرنے والوں کے خلاف ان افسران نے اب تک کیا کیا ہے؟ یہ افسر خود ان کے ساتھ [illegible] کرتے ہوئے بھی دیکھے گئے ہیں۔ ایسے میں سپریم کورٹ کو کچھ کرنا چاہیے تھا۔

تحفظ وسلامتی کی سب سے بڑی ذمہ دار حکومت کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حکومت کے لیے عوام کی ضرورت ہوتی ہے، حکومت نفرت کے فروغ سے نہیں محبت کا دریا بہانے سے کی جا سکتی ہے۔ حکومت اور اس کے سربراہان کو نفرت کے بجائے محبت کو فروغ دینے والوں کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے۔ اگر محبت رہی تو یہ ملک بھی رہے گا اور اگر محبت کی جگہ نفرت نے لے لی تو آگ جلے گی، دھواں اٹھے گا، آنکھیں سرخ ہوں گی، خون کھولے گا اور خون بہے گا لیکن محبت نہیں ہوگی، گلاب نہیں کھلیں گے، مسکراہٹیں نہیں ہوں گی اور کوئی کسی دوسرے کے لیے اپنا خون بہانے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ اس کی ذمہ داری ہم سب کی ہے، لیکن چونکہ حکومت کا دائرہ نہایت وسیع ہوتا ہے، اس کے پاس پالیسی ساز اور پالیسی نفاذ ادارے ہوتے ہیں جو منظم طور پر کسی بھی بدیسی وغیر بدیسی پالیسی کا نفاذ کر سکتے ہیں، اس لیے مرکزی وریاستی حکومت کو اب محبت کی بھی پالیسی بنانی چاہیے اور اسے صدق دل اور انسانیت سے لبریز ہو کر نافذ کرنا۔

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اوپر دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈرافٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798 رابطہ اور واٹس اپ نمبر

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ نقیب کے آفیشل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(منیجر نقیب)

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna-06 # 9473371988

Scanned with CamScanner